منزل

بسم الله الرحمن الرحيم

منزل

شاہین صفت بچوں کے لیے شاہین سیریز

کلیم چغتائی

ادارہ مطبوعات طلبہ
1۔اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور۔ فون:7553991

فہرست

❁ محبت پور	کلیم چغتائی
❁ انجمن کا انجام	کلیم چغتائی
❁ حلوے کا ڈبہ	کلیم چغتائی
❁ پہاڑوں کے درمیان	کلیم چغتائی
❁ 35 روپے	کلیم چغتائی
❁ بھوت کی توبہ	کلیم چغتائی
❁ غلط فہمی	ندیم واسطی
❁ منزل	طاہر محمود

منزل

یاسر کے رونے کی آواز سن کر اس کے ابو گھر سے باہر آئے اور پوچھا۔

بیٹا کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو۔''

یاسر نے روتے ہوئے اپنے اجڑے باغیچے کی طرف اشارہ کیا۔ جسے اس نے ہفتوں کی محنت سے سینچا تھا۔ وہ روتے روتے بولا۔ ''ابو! آپ تو جانتے ہیں کہ میں نے اپنے جیب خرچ سے اس چھوٹے سے باغیچے کے اندر گھاس لگائی تھی، پھر کئی ہفتوں تک مسلسل دیکھ بھال کی۔ اس میں پھولوں کے پودے نرسری سے خرید کر لگائے اور باغیچے کے باہر خوبصورت چھوٹی سی باڑ لگائی۔ مگر اب جب کہ باغیچے میں گھاس اُگ آئی تھی اور پودے پھولوں سے سج گئے تھے تو محلے کے آوارہ بچوں نے میرے سکول جانے کے بعد انہیں تہس نہس کر دیا۔ یہ دیکھیے ابو یہاں کسی نے اپنی بکری کو کھلا چھوڑ رکھا۔ جس نے گھاس اور پھولوں کے پودوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ میری ساری محنت ضائع ہوگئی ہے۔

یاسر کے ابو نے اس کا سکول بیگ اس کے کندھے سے اتارا اور نرمی سے کہا'' بیٹا! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ یہ تو سب تمہاری

ہونے والے بزم کے پروگرام کی طرف جا چکا تھا۔ جہاں بزم کے صدر صاحب نے کچھ ایسی ہی باتیں بتائی تھیں، کہ ہمیں صرف خود ہی نیک نہیں بننا بلکہ نیکی کو عام کرنا ہے تاکہ پورے معاشرے میں نیکی کا چال چلن عام ہو جائے۔

''یاسر۔۔۔یاسر! اس کے ابو نے اسے جھنجھوڑا۔ بیٹا کہاں کھو گئے تھے۔

''ابو۔۔۔ابو۔۔۔ ہماری بزم کے صدر صاحب بھی کل یہی بات کہہ رہے تھے کہ خود بھی نیک بنو اور نیکی کو پھیلاؤ بھی۔''

بیٹا! یہ صدر صاحب کون ہیں؟''

ابو یہ بڑے اچھے ہیں۔ یہ ہمیشہ کلاس میں اچھی پوزیشن لیتے ہیں اور مختلف مقابلوں میں سکول کا نام بھی روشن کیا ہے۔ یاسر نے بتایا اچھا بیٹا وہ اور کیا کہتے ہیں'' ابو نے یاسر کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

یاسر بولا۔'' ایک دفعہ انہوں نے بڑی اچھی مثال دی تھی کہ جس طرح کوئی گھر مچھروں کی آماجگاہ بنا ہو تو اس میں ادویات استعمال کر کے کچھ وقت کے لئے تو سکون مل جاتا ہے۔ مگر محلے کے دوسرے گھروں کے مچھر اس گھر میں آ کر ان کا سکون غارت کر دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر ہم خود تو نیک بن جائیں مگر دوسروں کو نیکی کا درس نہ دیں۔ خود نماز پڑھیں، دوسروں کو اس کی دعوت نہ دیں۔ خود قرآن پاک کا مطالعہ کریں دوسروں کو نصیحت نہ کریں۔ اسی طرح والدین اور اساتذہ کا احترام، اپنی پڑھائی میں دلچسپی، غرض ہم خود تو ہر لحاظ سے اچھے اور نیک طالب علم بننے کی کوشش کریں، مگر دوسروں کو ان تمام اچھائیوں کی دعوت نہ دیں تو ہم مستقل مزاجی کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دوسرے بچے جوان اچھائیوں کی قدر نہیں کرتے آوارہ گردی

محبت پور میں

چلتے چلتے جب دو گھنٹے ہو گئے، دور دور تک آبادی کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو وہ چاروں پریشان ہو گئے اور اب تو پاؤں بھی جواب دے رہے تھے۔ نعیم تو تھک کر بیٹھ گیا۔ اسلم نے نعیم کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا'' بھئی ہمت کرو، میرا خیال ہے اب ہم اُس باغ تک پہنچنے ہی والے ہیں۔''

پتہ نہیں آپ کا وہ باغ کب آئے گا۔ میری ٹانگوں میں تو اب دم نہیں رہا اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔'' نعیم نے خود اٹھنے کے بجائے اسلم کو بھی ساتھ میں بٹھا لیا۔ اسلم کے بیٹھنے پر فاروق اور رحیم بھی وہیں بیٹھ گئے۔

دور دور تک ہموار صحرا نظر آ رہا تھا۔ نہ کوئی درخت تھا نہ کوئی گھر نہ کوئی آواز تھی، ہو کا عالم تھا۔ یہ چاروں دوست میٹرک کا امتحان دینے کے بعد چھٹیوں میں پکنک کے لئے گھر سے نکلے تھے۔'' پہاڑی باغ'' کی بہت تعریف سنی تھی لہذا چاروں دوستوں نے'' پہاڑی باغ'' چلنے کا پروگرام بنایا۔ راستہ اتفاق سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ لہذا اسلم نے اپنے بھائی جان سے پہاڑی باغ کا راستہ معلوم کیا اور پکنک کا تمام سامان کھانا، پھل، جگ گلاس، چاد

رہے ہیں۔'' فاروق نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''لیکن یہ کیا! یہ گھر تو معلوم ہوتا ہے بہت عرصہ سے ویران پڑا ہے۔ دروازے ہیں نہ کھڑکیاں۔ دیواریں بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی ہیں۔'' نعیم نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اسلم نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو اس کمرہ کا دروازہ سلامت ہے اور تالا بھی لگا ہوا ہے۔ چلو اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔'' رحیم ایک بڑ سا پتھر اٹھالایا اور تالے پر مارنا شروع کر دیا۔ بالآخر تالا ٹوٹ گیا۔ کمرہ بہت بڑا تھا لیکن سارے کا سارا مکڑی کے جالوں سے پر تھا۔ کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے جب وہ دوسرے کونے پر پہنچے تو انہیں فرش کا ایک چوکور حصہ کچھ مختلف نظر آیا۔ غور سے دیکھنے پر اس میں لگے ہوئے ہینڈل پر بھی نظر پڑی۔ نعیم نے ہینڈل کو پکڑ کر زور لگایا تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

''ارے! یہ تو کوئی تہہ خانہ ہے۔'' اسلم چلایا۔ ''لیکن یہ اتنا خفیہ کیوں بنایا گیا ہے؟ شاید اس میں کوئی خزانہ محفوظ ہو؟ آؤ چل کر دیکھیں۔ شاید ہمیں ہی مل جائے۔'' رحیم نے کہا۔ فاروق نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ لالچ کا انجام برا ہوتا ہے۔ ہمیں اس تہہ خانے میں نہیں اترنا چاہیے، عصر کا وقت ہو چکا ہے ہمیں یہیں نماز ادا کر کے چلنا چاہیے۔''

''نماز ادا کر لیں لیکن پھر اس تہہ خانہ کو ضرور دیکھیں گے۔'' رحیم نے اصرار کیا۔ نماز کے بعد رحیم تہہ خانہ میں اتر پڑا۔ تینوں ساتھی بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ ''بھئی یہاں تو بہت اندھیرا ہے، ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا۔'' نعیم نے کہا۔ اس پر اسلم نے ٹوکری میں سے ٹارچ نکال کر روشن کی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنا شروع کیا۔ اچانک فاروق کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ اسلم

''بھئی اس میں مذاق کی کیا بات ہے؟ اب اس اندھیرے میں تو آپ کو راستہ ملنے سے رہا۔ ساری رات اسی صحرا میں چکر لگاتے رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ صبح ہی چلنا ہوگا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔'' اور یہ کہتے ہوئے اسلم نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ دو دو چار چار نوالے رحیم اور فاروق نے بھی زہر مار کیے، مگر نعیم نے کہہ دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔ نماز کے بعد چلنے یا نہ چلنے پر بحث ہوئی۔ آخرکار یہی طے پایا کہ اس وقت چلنا خطرے کا باعث ہے۔ لہذا یہیں جیسے تیسے رات گزاری جائے۔ نعیم بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا: ''شاید ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسی غلطی کی سزا دی ہے۔'' اس پر انہوں نے اپنے دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ بلا اجازت اس گھر میں داخل ہونا اور کمرے کا تالا توڑنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف تھا۔ چاروں نے اللہ سے معافی طلب کی اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنے کا پکا ارادہ کیا۔ نیند چاروں میں سے کسی کو نہ آتی تھی۔ اسلم اور رحیم نے قرآن کا وہ حصہ جو زبانی یاد تھا دہرانا شروع کیا۔ فاروق نوافل ادا کرنے میں مشغول ہوگیا اور نعیم دعاؤں میں۔

جوں جوں رات گزرتی گئی ایک ایک کر کے سب کی آنکھیں بوجھل ہوتی گئیں اور رات کے آخری حصہ میں سب نیند کی وادی میں جا چکے تھے۔ لیکن اس ویران و بیابان صحرا میں نیند کتنی دیر آتی۔ نعیم فوراً ہی اُٹھ بیٹھا۔ رات کے پرہول سناٹے میں آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور اب وہ بھی غروب ہوا چاہتا تھا۔ رات کے اس حصہ میں سردی بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن نعیم کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ اس وقت نعیم کو اپنا گھر، اپنے امی ابو اور بھائی بہن شدت سے یاد آ رہے تھے۔ اس دوران رحیم بھی اٹھ بیٹھا۔

نہ بہت چھوٹے۔ طویل اور کشادہ سڑک صاف ستھری تھی۔ نہ پھلوں کے چھلکے تھے نہ ہی کیچڑ و پانی۔ سواریاں اپنی اپنی لائنوں میں چل رہی تھیں۔ کوئی ایک پیدل شخص بھی سڑک پر نہیں چل رہا تھا۔ سب فٹ پاتھ پر تھے۔ فٹ پاتھ کے کنارے والی لائن پر سائیکلیں، بس اور ٹرک تھے، اور آخری لائن پر کاریں۔ سڑک کے دونوں جانب دکانیں تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ صبح ہی صبح تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ دکانیں اگرچہ سادہ سی تھیں، کوئی خاص آرائش و زیبائش نہیں کی گئی تھی مگر بے انتہا صاف ستھری تھیں، نہ میل کچیل تھا نہ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ انہیں دکانوں کے درمیان ایک حلوائی کی دکان نظر آئی۔ گرم گرم پوریوں کی خوشبو نے ان کی بھوک کو اور چمکا دیا۔ انہوں نے حلوائی سے کہا ''جناب ہم ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔''

حلوائی نے کہا ''فرمایئے! کتنی پوریاں باندھ دوں؟''

''جی ہم لے کر کہاں جائیں گے؟ کیا یہاں پر کھانے کا انتظام نہیں ہے؟''

''یہاں کے لوگ دکانوں پر کھانا پسند نہیں کرتے۔ آپ شاید مسافر لوگ ہیں، یہیں کھا لیجیے۔'' یہ کہہ کر حلوائی نے انہیں دکان کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ یہاں میز پر تشریف رکھیے۔''

حلوائی کے شریفانہ برتاؤ سے چاروں بہت خوش ہوئے۔ ناشتہ کرتے ہوئے انہیں محسوس ہوا کہ حلوہ پوری بہت اعلیٰ معیار کی ہیں۔ شاید ہر چیز خالص استعمال کی گئی تھی۔ اس پر انہیں اندیشہ ہوا کہ ان چیزوں کے دام بہت زیادہ ہوں گے۔

فاروق نے کہا ''ہمیں پہلے قیمت معلوم کر لینی چاہیے تھی اگر ہمارے پاس

میرا نام عثمان ہے۔ اور میں اسلامیہ سکول میں جماعت دہم کا طالب علم ہوں۔'' اس پر چاروں ساتھیوں نے بھی اپنا اپنا تعارف کرایا۔ اب عثمان نے کہا کہ'' آپ میرے مہمان ہیں۔ میرے گھر چلیئے آپ کو ہوٹل میں ٹھہرنے نہیں دوں گا۔''

''نہیں آپ کو تکلیف ہوگی۔ ہم ایک دو نہیں چار افراد ہیں۔ آپ ہمیں ہوٹل کا پتہ ہی بتا دیں۔'' اسلم نے کہا۔

عثمان نے جواب دیا: ''نہیں نہیں! تکلیف کیسی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ میرا گھر یہیں قریب ہے۔'' اس پر چاروں دوست عثمان کے ساتھ ہو لیے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد عثمان نے ایک وسیع و عریض عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' یہ ہمارا سکول ہے۔'''' اچھا پھر تو ہم چاہیں گے کہ آپ ہمیں پورے سکول کی سیر کرائیں۔'' فاروق نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''ہاں! ہاں! ضرور آیئے مجھے اپنا سکول دکھاتے ہوئے بہت خوشی ہو گی۔'' عثمان نے کہا۔ گیٹ سے داخل ہوتے عثمان نے چپڑاسی کو سلام کیا اور چاروں دوستوں کو دائیں ہاتھ پر واقع ایک کمرے میں لے گیا۔ یہ پرنسپل کا کمرہ تھا۔ سلام کے بعد عثمان نے چاروں ساتھیوں کا پرنسپل صاحب سے تعارف کرایا اور کہا: یہ ہمارے سکول کو دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''ضرور دکھایئے بہت اچھی بات ہے۔'' پرنسپل صاحب نے جواب دیا۔

پرنسپل کے کمرے سے باہر آنے کے بعد وہ دائیں ہاتھ پر ایک کمرے میں داخل ہوئے، یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔ ایک قطار میں میزیں لگی ہوئی تھیں اور

سکول سے نکلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ تمام دکانیں بند ہیں، ٹھیلوں پر بھی ان کے مالک موجود نہیں۔" عثمان بھائی! کیا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ آنسو گیس کی تو بو نہیں آ رہی۔ پھر یہ ٹھیلے والے اپنے ٹھیلے چھوڑ کر کہاں بھاگ گئے ہیں؟" اسلم نے حیرت سے دریافت کیا۔ عثمان نے ہنستے ہوئے کہا" ارے بھئی! کوئی جھگڑا نہیں ہوا، کوئی آنسو گیس استعمال نہیں کی گئی۔ یہ سب لوگ تو نماز پڑھنے گئے ہیں۔ وہ دیکھئے! وہ ہمارے شہر کی جامع مسجد ہے۔آیئے وقت ہو گیا ہے ہم بھی نماز پڑھ لیں۔"

مسجد میں بے شمار نمازیوں کو دیکھ کر رفیق نے عثمان سے پوچھا" کیا یہاں آج کوئی تہوار ہے جو مسجد اس قدر کھچا کھچ بھری ہوئی ہے؟" عثمان نے جواب دیا۔"نہیں بھئی! کوئی تہوار نہیں۔ اتنی بڑی آبادی ہے اور سب ہی لوگ نماز پڑھتے ہیں" عثمان نے جواب دیا۔نماز کے بعد انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ امام صاحب سے مل رہے ہیں۔کوئی انہیں کاغذ پکڑا رہا ہے اور کوئی زبانی باتیں کر رہا ہے۔

"عثمان بھائی! کیا یہ لوگ امام صاحب کو مسجد کا چندہ دے رہے ہیں۔" رفیق نے پوچھا۔

"نہیں! کوئی چندہ وندہ نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے اپنے مسائل کے حل کے لئے درخواستیں پیش کر رہے ہیں۔" عثمان نے بتایا۔ رفیق نے حیران ہوتے ہوئے کہا" مولوی صاحب کس طرح حل کریں گے ان کے مسائل؟"

عثمان نے کہا" بھئی! ہمارے شہر کے جو بھی کمشنر ہوتے ہیں، وہی جامع مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو شہر کے انتظام سے متعلق جو شکایتیں

دیتے ہیں، جسے سرکاری گاڑیاں آکر اُٹھا لے جاتی ہیں۔ کسی کو اِدھر اُدھر تھوکنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح پورا شہر صاف ستھرا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگ بہت کم بیمار ہوتے ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی بیمار ہو جائے تو ان کے علاج کا حکومت کی جانب سے معقول انتظام ہے۔ ہمارے ہاں زکوٰۃ اور عشر حکومت وصول کرتی ہے اور شریعت کے مطابق اسے استعمال کرتی ہے۔ غریبوں اور ناداروں کی مدد حکومت کے ادارے کرتے ہیں۔ اس لئے لوگ اپنے صدقات انہی اداروں میں جمع کراتے ہیں۔ ہمارے ہاں چوری کی وارداتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' عثمان نے تفصیل سے بتایا۔

''کیوں؟ کیا چوروں کو بہت سخت سزا دی جاتی ہے؟'' نے پوچھا۔

''سزائیں تو واقعی ہمارے ہاں سخت رائج ہیں لیکن ایسی نوبت سالوں میں ایک آدھ مرتبہ ہی آتی ہے۔ اصل میں لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ تھانیداروں سے نہیں۔'' عثمان نے جواب دیا۔

اسلم نے جوش میں اونچی آواز سے کہا: ''ہم بھی اپنے ہاں جا کر اسلامی نظام نافذ کریں گے تاکہ ہمارے ہاں بھی ایمانداری، سچائی، خوشحالی اور تندرستی کا دور دورہ ہو۔''

''بھئی! ہم نے اسلامی نظام نافذ ضرور کیا ہے مگر صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے۔ اس لئے نہیں کہ ہم خوشحال ہو جائیں یا ہمارے معاشرہ میں سے چوری، بے ایمانی اور بیماریاں ختم ہو جائیں۔ یہ سب تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو وہ اپنے بندوں کو ضرور دیتا ہے جو اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔'' عثمان نے کہا۔

انجمن کا انجام

محلے کے بچے ایک انجمن بنا رہے تھے۔ اعظم میاں اس کے کرتا دھرتا تھے۔ ویسے بھی اگر انجمن نہ بھی ہوتی تو وہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اور پھر ایک غیر سرکاری سی یعنی بے قاعدہ سی انجمن تو ان کی سربراہی میں پہلے سے ہی موجود تھی۔ جس کے کام گرمیوں میں چھتوں پر چڑھ کر پاس پڑوس کے گھروں کے درختوں سے آم توڑنا، کتوں کے گلے میں رنگ برنگی پٹیاں باندھنا، مختلف جانوروں مثلاً کتوں، بلیوں، گدھوں وغیرہ کو مختلف سیاسی رہنماؤں کے ناموں سے موسوم کرنا، پتنگ بازی، گلی ڈنڈا کے ٹورنامنٹ کرانا تھے۔ لیکن اب تو باقاعدہ ایک اجلاس بلایا جا رہا تھا۔ محلے کی ہر گلی کے کونے پر، کسی دوکان کے تختے یا مکان کی دیوار پر اعظم میاں کے اپنے ہاتھ کے تیار کردہ پوسٹر بعنوان ''عظیم الشان اجلاس'' لگائے گئے تھے۔ پوسٹرز میں اجلاس کی تفصیلات درج تھیں اور نیچے اعظم میاں کا نام اور ان کے دستخط موجود تھے۔ خود اعظم میاں ایک ایک بچے کو اجلاس کی یاد دہانی کرا رہے تھے۔ کسی بچے کو اجلاس سے غیر حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی۔

''اونہہ! یہیں کھڑے کھڑے بتا دوں۔ بہر حال مختصراً سن لو کہ ہم آئندہ سے اپنی انجمن کا ٹیکس ہر گھر پر عائد کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ محلے میں کہیں بھی دعوت ہو گی یا کوئی خاص چیز پکے تو ہماری انجمن کا بھی اس میں حصہ ہو گا۔ محلے میں جتنے آم، امرود اور مالٹے لگتے ہیں، ان میں سے ہماری انجمن اپنا حق وصول کرے گی۔ انکار کی صورت میں اس گھر کی بجلی اور پانی بند۔''

''خوب! آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی انجمن کے اثرات بہت ہیں۔'' تنویر نے کہا۔

''بہت'' اعظم میاں خوش ہو کر بولے۔

''اچھا ایک بات بتائیں۔'' تنویر نے کہا

''کیا؟'' اعظم میاں بولے۔

''آپ کی اس انجمن میں شامل تمام لڑکوں کو عام افراد پسند کرتے ہیں یا ناپسند؟ ''پسند کیا وہ تو ڈرتے ہیں۔'' اعظم میاں غرور سے بولے:

''ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے خوف سے ایک ناپسندیدہ کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اس طرح تو کوئی آپ سے محبت نہیں کرتا ہو گا۔'' تنویر نے کہا۔

اعظم میاں کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ تنویر نے انہیں سوچ میں دیکھ کر دوسرا سوال کر ڈالا۔ ''اچھا یہ بتائیں آپ کی انجمن میں شامل تمام لڑکے ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوتے ہیں۔''

اعظم میاں کی نظروں کے سامنے اپنے سارے دوست گھوم گئے۔ چشم تصور سے انہوں نے سب کو اپنے اپنے گھروں میں فیل ہونے پر پٹتے دیکھا۔ انہیں یاد آیا کہ دو سال قبل تک وہ اپنی کلاس میں فرسٹ آتے رہے تھے لیکن

اتنے اچھے ہوں انہیں بھلا کون ناپسند کرے گا؟ تنویر نے جواب دیا۔

اعظم میاں سوچنے لگے کیا میں بھی ایسا لڑکا بن سکتا ہوں۔

ایک دم کسی نے ان کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔ ''ارے! تم یہاں ہو۔ سارے لڑکے انتظار کر کے چلے بھی گئے۔ ہم نے تمہاری تلاش میں پورا بازار چھان مارا۔ یہ طاہر سلطان تھا ان کی انجمن کا اہم ممبر۔ وہ ہڑبڑا سے گئے۔ ''وہ...... اصل میں ...... یار...... بس!!''

''کیا بات ہے، کہیں کام سے چلے گئے تھے کیا؟ چلو راستے میں بتانا۔'' طاہر نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

اعظم میاں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب کی مسجد سے عصر کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ طاہر نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا، لیکن وہ ایک دم اپنا بازو چھڑا کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مسجد میں چلا گیا۔ طاہر نے حیرت بھری نظروں سے اعظم میاں کو دیکھا، پھر تنویر کو دیکھا جو دوکان بند کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں شکر و اطمینان جھلک رہا تھا۔ دوکان بند کر کے وہ بھی مسجد کی سمت چل دیا۔

طاہر وہاں سے تیر کی طرح ریحان کے گھر پہنچا اور اس کے گھر کے باہر لگی گھنٹی اس زور سے بجائی کہ ریحان کے گھر والے اچھل پڑے۔ ریحان کے والد شدید غصے میں باہر نکلے لیکن طاہر کو دیکھ کر غصے کو پی گئے۔ انہیں ویسے ہی اعظم میاں کی ٹولی سے ڈر لگتا تھا۔ پتہ نہیں کیا گل کھلائیں۔ طاہر کو انہوں نے بڑی نفرت سے دیکھا اور بولے:

''ریحان کو بلانا ہے؟ بھیجتا ہوں۔''

''کیا کہا؟'' طاہر بوکھلا کر بولا۔ ''گویا اب تم ہمارے ساتھ کھیلو گے بھی نہیں۔''

''اچھے کھیل میں کھیل سکتا ہوں لیکن نمازوں کے اوقات میں نہیں کھیلوں گا۔ دوسرے یہ کہ بے ایمانی والے کھیل میں شریک نہیں ہوں گا۔'' جواب ملا۔

''چھوڑو یار، اس کا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔'' ریحان نے طاہر کو کھینچتے ہوئے کہا۔ اور دونوں اعظم میاں سے بغیر ہاتھ ملائے چل دیئے۔

راستے میں طاہر نے کہا۔ ''میری مانو تو لڑکوں کو بلالو۔ ایک ہنگامی اجلاس کر لیتے ہیں سب کو یہ بات پتہ چل جائے۔''

''بالکل ...... بالکل ٹھیک ہے۔'' ریحان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''میرے ہی گھر بلالو۔''

ذرا دیر میں سارے لڑکے اکٹھے ہو گئے۔ جلد ہی سب کو تازہ ترین صورت حال کا علم ہو چکا تھا۔ سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر منیر عالم نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بات شروع کی۔

''دوستو! آپ کو علم ہے۔ ہمارا لیڈر ہم سے الگ ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں کس نے اس پر جادو کیا۔ لہٰذا اپنی انجمن کے تحفظ کی خاطر میری رائے یہ ہے کہ آج اس اجلاس میں اپنا صدر اور سیکرٹری وغیرہ چن لیں۔

''بالکل ٹھیک ہے۔'' کوئی جوشیلا لڑکا بولا۔

''ہاں ہاں۔''

''صحیح ہے۔''

''ہونا چاہیے۔''

کئی آوازیں آئیں۔

رہی ہیں اور ان کے پھٹے ہوئے ورق کمرے میں اڑتے پھر رہے ہیں۔
ریحان کے بھائی اور والد نے لڑکوں کو الگ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن لڑکے تھے کہ بھپرے ہوئے چیتوں کی طرح اچھل اچھل کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ اچانک ایک طرف سے آواز آئی۔

''ٹھہرو......!''

لڑکے لڑتے ہوئے ٹھہر گئے۔ یہ آواز ان کے لئے نئی نہ تھی۔ کمرے کے دروازے پر اعظم کھڑا ہوا تھا...... اعظم ان کا لیڈر، کھویا ہوا لیڈر......!

''آپ لوگوں نے مجھے یاد کیا تھا۔'' اعظم نے نہایت سنجیدگی سے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں نہ آتا، لیکن مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا یہ ''ہنگامی'' اجلاس واقعی ''ہنگامے'' کی نذر ہو گا۔ لہٰذا مجھے یہاں آنا ہی پڑا۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ انجمن کی تشکیل کے ابتدائی مرحلے ہی میں عہدوں کی تقسیم پر اس شان کی لڑائی چھڑی ہے تو آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئندہ مختلف مراحل پر، امرود اڑاتے ہوئے اور آپس میں تقسیم کرتے ہوئے، پیسوں کے معاملے پر اور دیگر مسائل پر کیا کچھ فتنے نہ کھڑے ہوں گے۔ محلے بھر کے لوگ آپ سے نفرت کریں گے، پڑھائی میں آپ پیچھے رہیں گے اور اللہ کے ہاں بری حرکات کی سزا ضرور ملے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سب بری حرکات سے توبہ کریں اور اچھے لڑکے بن کر دکھائیں۔''

اعظم نے اپنی بات ختم کی۔ لڑکوں کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ریحان کا بڑا بھائی تو حیرت سے منہ کھولے کھڑا تھا، لیکن ایک جانب سے آواز آئی۔

لائحہ عمل وہی تھا جو اعظم طے کرنے والے تھے۔ وہی لوگوں کے گھروں سے کھانے پینے کی چیزیں پار کرنا، شرارتیں کرنا وغیرہ، لیکن پہلے تو معاملہ یہ تھا کہ اعظم جیسا ذہین اور باصلاحیت لڑکا اس ٹولی کا لیڈر تھا۔ پھر لڑکوں کی اچھی خاصی تعداد تھی جو ان ہنگاموں میں شریک رہتی۔ انہیں کچھ کہتے ہوئے بھی لوگ گھبراتے تھے اور اب تو گنے چنے چار پانچ لڑکے تھے۔ ایک دوبار انہوں نے مالٹے اڑا لیے یا امرود چرا لئے، لیکن کب تک؟''

❁❁❁

تپتی دوپہر تھی۔ منیر نے اپنی مختصر سی ٹولی کے ساتھ خان صاحب کے گھر پر چھاپے کا پروگرام بنایا تھا۔ خان صاحب تنویر کے والد تھے۔ منیر، تنویر سے پہلے ہی بیزار تھا کیونکہ اس نے اعظم میاں کو اس کے خیال میں ''بہکا'' دیا تھا۔ اعظم میاں اب نیک بنو، نیکی پھیلاؤ والی بزم میں شامل ہوگئے تھے جس کا صدر تنویر تھا۔ لہٰذا تنویر سے بدلہ لینا ضروری تھا اور بدلہ لینے کی اچھی صورت یہ تھی کہ خان صاحب کے گھر پر چھاپہ مارا جائے۔

خان صاحب کا پھلوں کا اچھا خاصا کاروبار تھا۔ اسی لیے ان کے گھر میں بھی پھلوں کی پیٹیاں رکھی رہتی تھیں، انہیں پر منیر کی نظر تھی۔

عثمان کا مکان خان صاحب کے مکان سے ملا ہوا تھا اور وہ منیر کی ٹولی میں شامل تھا۔ لہٰذا چپکے سے چھت کے ذریعے ''چھاپہ مار پارٹی خان صاحب کے گھر میں نازل ہوگئی۔ خان صاحب عموماً اس وقت دوکان پر ہوتے تھے اس لئے ڈر کی کوئی بات نہ تھی۔

اِدھر اُدھر تاڑنے کے بعد انہیں ایک اسٹور نظر آیا۔ جس کے ادھ کھلے

''لڑکو......! تم نے محلے بھر کو پریشان کر رکھا ہے۔ آج تمہیں یہیں پکڑ کے ماروں۔ چاہوں تو پولیس کے حوالے کر دوں تاکہ حوالات میں ڈنڈے کھا کر تمہیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے اور تمہارے والدین کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے۔ لیکن میں سوچتا ہوں تم ابھی بچے ہو۔ ناسمجھ تو نہیں کہوں گا، نادان ضرور ہو کہ اب تک تم دھوکا کھاتے رہے ہو۔ پتہ ہے کس سے؟''

چاروں لڑکوں نے کچھ ہاں، کچھ نہیں کے انداز میں سر ہلایا۔

''شیطان سے'' خان صاحب بولے۔'' اس نے تمہارا دوست بن کر تمہیں زندگی کے مزے لوٹنے کی راہ دکھائی۔ لیکن تمہیں شاید علم نہیں کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''حرام مال کھانے والے اور حرام لباس پہننے والے کی دعا تو اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہیں کرتا۔''

''تم اس راہ میں چلتے رہو گے تو نہ پڑھ لکھ کر قابل بن سکو گے، نہ تمہیں کہیں عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔''

سٹور میں خاموشی طاری ہو گئی۔ بالآخر خان صاحب نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا:

''تم نے خود ہی دیکھ لیا کہ برے کاموں کا انجام اس دنیا میں ہی بعض اوقات اللہ تعالیٰ دکھا دیا کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تم سیدھی راہ اختیار کر لو اور برے کاموں سے باز آ جاؤ۔ یہ اس نے تمہارے اوپر احسان کیا ہے۔ اگر وہ اس طرح تمہیں نہ ٹوکتا تو تم پتہ نہیں کب تک بھٹکتے رہتے۔ اعظم ہی کو دیکھ لو۔ چند دنوں پہلے تک مجھے اس سے شدید نفرت تھی لیکن اب وہی تبدیل

علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے کہ بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کیوں نہ ہو......لو......شرماؤ مت۔''

چاروں لڑکوں نے جھجکتے ہوئے ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھا دیئے اور خان صاحب نے ذرا بلند آواز سے کہا:

''بیٹا......اب تم بھی آ جاؤ، چھپ کر کیوں کھڑے ہو۔'' لڑکے حیران رہ گئے۔ ہر ایک کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اس لئے کہ ان کی ٹولی کا پانچواں ممبر رفیع دروازہ کھول کر ہنستا ہوا داخل ہو رہا تھا۔ خان صاحب بھی مسکرا رہے تھے۔

اب ان لڑکوں کی سمجھ میں آیا کہ رفیع کیوں ان کے ساتھ خان صاحب کے گھر پر چھاپہ مارنے میں شریک نہیں ہوا تھا اور کس طرح خان صاحب کو ان کے چھاپے کا قبل از وقت علم ہو گیا تھا۔ انہیں یاد آنے لگا کہ رفیع انہیں اکثر شرارتوں سے روکا کرتا تھا۔ گو وہ ان کے ساتھ تھا مگر وہ انہیں شرارتوں سے روکنے کے لئے ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

خان صاحب بولے:

''لڑکو گھبراؤ مت رفیع نے درحقیقت دوست کا حق نبھایا ہے۔ اسے تمہاری بڑی فکر تھی کہ کسی طرح تم شرارتوں سے باز آ جاؤ۔ اس لئے کہ اس نے مجھے تمہارے چھاپے کی خبر کر دی تھی۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ لو سیب بہت اچھے ہیں!

لڑکے ذرا شرمندہ، شرمندہ سے پھل کھانے لگے، اور خان صاحب بولے۔

''اللہ کا احسان ہے، یہ میری حلال کی کمائی ہے، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے

جس کا تعارف تنویر نے اعظیم میاں سے کرایا۔ اب تمام لڑکے اس کے ممبر بن چکے تھے اب ہر ہفتے مسجد میں کبھی بزم کی ممبرز میٹنگ اور کبھی کوئی اور پروگرام۔

اس کے علاوہ محلے کے لوگوں کو خوشی اس بات کی تھی کہ تمام لڑکے مسجد میں باقاعدہ نماز ادا کرنے کے لئے آتے اور محلے میں دیگر فلاحی کام بھی ہونے لگے۔ لوگ بزم کے ممبرز کو ان کے نیک بننے اور نیکی پھیلانے کے کاموں کے لئے خود ہی چندہ دینے لگے۔ اور ان کا محلہ جہاں پہلے برائی کا گڑھ بنا ہوا تھا وہاں اب ہر گھر سے نیک بننے اور نیکی پھیلانے والے شاہین اپنے محلے اپنے علاقے اور اپنے وطن عزیز پاکستان کے محافظ بن کر ابھر رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

دسویں جماعت میں روز یہی ہوا کرتا تھا۔ کبھی ڈیسکیں بج رہی ہیں، کبھی سیٹیوں کا شور سکول کے دوسرے سرے پر چھٹی جماعت تک جا رہا ہے۔ کبھی سب مل کر زور زور سے کھانس رہے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے منہ پر چاک سے اٹا ہوئے جھاڑن مارا جا رہا ہے اور اس قسم کے سارے کام صرف ایک لڑکے کے اشارے پر ہوا کرتے تھے، اور وہ تھا دانش۔ ذہانت بے شک اللہ نے دی تھی۔ یعنی اپنے نام کی طرح دانشمند بھی تھا۔ لیکن تھا آفت کا پرکالا۔ جس دن وہ نہ آتا اس دن پوری کلاس میں سکون رہتا۔ نہ لڑکوں کو ڈیسکیں بجانے میں لطف آتا۔ نہ ایک دوسرے کی کمر میں پن چبھونے میں اور نہ استادوں کو ستانے میں۔ دسویں جماعت سے تو ویسے ہی تمام استاد پناہ مانگتے تھے، لیکن خاص طور پر دانش نے تو ان کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ بے باک اتنا تھا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں بے دھڑک: ''کیا میں اندر آجاؤں۔'' کہتا ہوا گھس جاتا تھا۔ پڑھنے لکھنے میں بھی تیز تھا لیکن اس کی شرارتیں استادوں کو پریشان رکھتیں۔ اسی کے اشارے پر کلاس میں ایک دم خاموشی طاری ہو جاتی۔ پھر وہ اچانک ایک طرف جا کر بیٹھ جاتا اور اشارے سے کمرے کے دوسرے کونے پر بیٹھے کسی لڑکے کو بلاتا۔ وہ اس کے پاس آنے کے لئے اٹھتا، تو اس کی قمیض سے بندھی ہوئی رنگین دم، کھڑکی سے آنے والی تیز ہوا میں لہراتی اور کلاس کی خاموش فضا میں فلک شگاف قہقہے بلند ہونے لگتے یا پھر کسی لڑکے کی قمیض کی پشت پہ چپکے سے چٹ لگا دی جاتی۔ ''گدھا ہوں، بھوکا ہوں'' اور سکول کے لان سے کچھ گھاس توڑ کر اس کے سامنے ڈیسک پر رکھی جاتی۔ یا پھر جس وقت حاضری ہو رہی ہوتی اور کسی لڑکے کا نام پکارا جانے والا ہوتا، دانش کے اشارے پر

نے متعدد بار دانش کو سمجھایا کہ اس طرح کی حرکتیں چھوڑ دے مگر وہ باز ہی نہ آتا۔ سکول یونٹ کے صدر انعام نے اس پر بڑی محنت کی۔ انعام کا خیال تھا کہ دانش کے سدھرنے سے بہت سے لڑکے سدھر جائیں گے کیونکہ بہت سے اچھے لڑکے دانش کے ساتھ رہنے کے باعث شرارتی بن گئے تھے۔ چنانچہ اس نے دانش کو راہ راست پر لانے کی بڑی کوشش کیں۔ اللہ میاں سے دعائیں بھی کیں، لیکن دانش کے طریقے یہی رہے۔ پانچوں وقت نمازیں پڑھنا، اجتماعات میں شرکت کرنا۔ مطالعہ قرآن و حدیث کرنا دانش کے لئے ان باتوں میں کوئی مزہ نہ تھا۔ اسے تو بس لوگوں کو ستانے میں لطف آتا تھا۔ اسے صرف اپنے فائدوں سے دلچسپی تھی۔ کسی پر کیا گزرتی ہے اسے اس سے کیا مطلب۔

ایک روز انصاری صاحب کلاس میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک مشہور مٹھائی کی دوکان کا حلوے کا ڈبہ تھا۔ عموماً ایسے ٹین کے ڈبے مٹھائی بنانے والی کمپنیاں شہر سے باہر لے جانے کے لئے تیار کرتی ہیں۔ دانش کے منہ میں ڈبہ دیکھتے ہی پانی بھر آیا۔ تمام پیریڈ بھر وہ للچائی ہوئی نظروں سے ڈبے کو دیکھتا رہا۔ آج اس نے خلاف معمول زیادہ شور بھی نہیں کیا۔ پیریڈ ختم ہوا تو اس نے چھوٹتے ہی انصاری صاحب سے کہا۔

”سر! یہ ڈبہ آپ گھر لے جا رہے ہیں؟ لائیے میں پہنچا آؤں۔“

اور اس سے پہلے کہ انصاری صاحب کچھ کہتے۔ اس نے ڈبہ اٹھا کر اپنی ڈیسک میں رکھ لیا۔ انصاری صاحب کو اس روز کچھ جلدی تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے انہیں کسی کام سے ایک دوسرے سکول جانے کے لئے کہا تھا اور پھر کلاس کے تمام لڑکوں میں سے صرف دانش ہی نے ان کا گھر دیکھا ہوا تھا۔

کہیں سے ایک چنا جور گرم والا گلی میں آ نکلا۔ وہ ٹین کا بھونپو لئے ہوئے ''چنا جور گرم بابو میں لایا مزیدار'' کی آواز لگا رہا تھا۔ اس کی آواز پوری گلی میں گونج رہی تھی۔ اس کی آواز سن کر ایک مکان کا دروازہ کھلا اور دو بچے دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ ان میں سے ایک کا پیر بیہوش پڑے ہوئے دانش سے الجھا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ چنے والا دوڑ کر آیا۔ روتے ہوئے بچے کو اُٹھایا۔ دانش پر نگاہ پڑتے ہی چونک گیا۔ وہ دانش کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ روتے ہوئے بچے کو تو تھوڑے سے چنے دے کر خاموش کیا اور دانش کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر قریبی کلینک لے گیا۔

ڈاکٹر اندر بیٹھا ہوا شاید چائے پی رہا تھا۔ چنے والے نے بھونپو منہ سے لگایا اور زور سے اس میں بولا:

''ڈاکٹر صاحب ایک بچے کی جان خطرے میں ہے، جلدی باہر آیئے۔''

جھاگ، دانش کے منہ سے اب بھی نکل نکل کر چنے والے کی میلی قمیض پر گر رہے تھے۔ ڈاکٹر جلدی سے باہر آیا، دانش کو دیکھتے ہی پریشان ہو کر بولا:

''ارے! اسے کیا ہو گیا؟'' یہ تو بڑا سیریس کیس ہے، اسے بڑے ہسپتال لے جاؤ...... مگر ٹھہرو! تم کیسے لے جاؤ گے؟ کم بخت کوئی رکشہ ٹیکسی والا راضی بھی تو نہیں ہوگا۔ میں ہسپتال فون کرتا ہوں۔ اس نے پتہ نہیں کیا کھا لیا ہے۔''

ڈاکٹر نے جلدی جلدی نمبر ڈائل کئے اور فون پر ہسپتال والوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ دس منٹ میں ایک ایمبولینس آ گئی۔ اس میں سے دو آدمی اترے، بے ہوش دانش کو ایمبولینس میں لٹایا اور چل دیئے۔ چنے والا بھی دانش کے ساتھ ہی ایمبولینس میں چڑھ گیا تھا۔ دانش کی حالت دیکھ کر وہ اپنا

دانش کے ہسپتال میں ہونے کی خبر، جنگل میں آگ کی طرح محلے بھر میں پھیل گئی تھی اور اس کے ابا اور بہت سے دوست، رشتہ دار ہسپتال میں چلے آرہے تھے۔ پریشان پریشان نگاہیں، متفکر چہرے سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے۔

ڈاکٹروں کی کوششیں اللہ کے فضل سے کامیاب ثابت ہوئیں اور دانش نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے پہلے جو چہرہ نظر آیا وہ انصاری صاحب کا تھا، جو اسے بڑی محبت اور شفقت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے برابر میں اس کے سکول کی ''بزم'' کا ایک ممبر شفقت کھڑا تھا۔ پاس ہی منصور، طارق، عارفین، ایوب، امین، سلمان وغیرہ کھڑے تھے۔ دانش کی امی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ اتنے لوگوں کی موجودگی کے باعث انہوں نے برقعہ اوڑھ کر چہرے پر نقاب ڈال رکھی تھی۔

دانش کے ہوش میں آنے پر ان سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ عارفین اور سلمان، باہر لان میں، دانش کے لئے اللہ سے دعائیں مانگتے ہوئے انعام کو یہ خوشی خبری سنانے کے لئے دوڑے اور دانش کی امی اس کے چہرے پر جھک کر بولیں:

''کیسی طبیعت ہے بیٹے؟''

دانش کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ عجیب ذائقے والی مٹھائی اس کے منہ میں دوبارہ کسی نے ڈال دی ہے۔ اسے یکبارگی اپنی چوری یاد آئی اور اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوگئی۔

''انصاری صاحب مجھے معاف کر دیجئے۔'' اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے نحیف سی آواز نکلی۔'' میں نے آپ کی مٹھائی چرا کر کھائی۔ اللہ

پہاڑوں کے درمیان

تمام لڑکے بس میں بیٹھ چکے تھے۔ سب سے آخر میں صدر صاحب بس میں چڑھے۔ انتظامات کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر ڈرائیور سے بولے: ''چلو بھئی!''

ہلکی سی آواز کے ساتھ منی بس کا انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ کچھ لڑکوں نے سواری کی دعا زبانی اور کچھ نے دیکھ کر پڑھ لی۔ ہلکی ہلکی باتوں کا شور بس کے انجن کے شور میں ملا جلا سنائی دے رہا تھا۔ بزم کے ممبرز پکنک پر جا رہے تھے۔ راستہ خوش گپیوں میں گزرا۔ منزل پر پہنچے تو 11:00 بج رہے تھے۔ صدر صاحب نے پہاڑوں کے درمیان ایک مناسب سی جگہ پر پڑاؤ ڈالنے کی ہدایت کی۔ قریب ہی چھوٹا سا چشمہ بھی بہہ رہا تھا۔ ہاتھ منہ دھو کر سب تازہ دم ہو گئے تو صدر صاحب نے ممبرز کو جمع کیا:

''دیکھیں، بھئی! اس وقت ساڑھے گیارہ بجے ہیں، ایک بجے تک آپ لوگ اِدھر اُدھر گھومیں۔ زیادہ دور نہ جائیں اور اکیلے تو بالکل نہ جائیں۔ ایک بجے یہاں آ کر کھانا کھائیں گے پھر نماز ظہر ادا کریں گے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا پروگرام کریں گے، پروگرام کے بعد چار بجے تک آپ لوگ سیر کریں

''بھئی! آپ لوگوں کو پتہ ہے نا۔ ہم لوگ سفر میں ہیں۔ اس لئے ظہر کی نماز صرف دو رکعت فرض قصر ادا کی جائے گی۔'' صدر صاحب نے مصلے پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

نماز ادا کی گئی۔ پھر سارے ساتھی دائرے کی صورت میں دری پر بیٹھ گئے۔ اور صدر صاحب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنی بات کا آغاز کیا، انہوں نے کہا:

اس قسم کی پکنکس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ممبرز کے درمیان ایثار و محبت کا تعلق قائم ہو۔ پکنک کے مواقع پر جہاں دیگر اسکولوں کے طلبہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں، ٹیپ ریکارڈ پر فلمی گانے سنتے ہیں۔ ماؤتھ آرگن بجاتے ہیں۔ شرارتیں کرتے ہیں، وہاں ہم صاف ستھری اور پاکیزہ تفریح کی مثالیں قائم کرکے دکھاتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک کے بعد بھائی شفقت ایک نظم پیش کریں گے۔ شفقت نے نظم ''نیک بنیں گے نیکی پھیلائیں گے'' ترنم سے سنائی پھر صدر صاحب نے تمام ممبرز میں کچھ پرچیاں تقسیم کیں۔ ان پر مختلف فرمائشیں درج تھیں۔ ہر ممبر نے اپنی پرچی چپکے سے کھول کر پڑھی اور پھر چھپالی۔ کسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کسی نے منہ بنالیا۔

صدر صاحب نے ایک جانب سے ابتداء کی۔ ''ہاں شہزاد بھائی! کیا ہے آپ کی پرچی میں؟'' شہزاد نے آنکھیں بند کیں اور مسکرادیا۔ تمام ممبرز حیران ہوکر اسے دیکھنے لگے اور صدر صاحب نے اطمینان سے کہا: ''بھئی! آپ کی پرچی پر لکھا تھا کہ ذرا آنکھیں بند کرکے مسکرائیں تو! کیوں شہزاد۔'' اور شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پاکستان!'' نہیں غلط ...... ''بھارت۔'' صدر صاحب نے تصحیح کی۔

اس کے بعد یاسر کا نمبر تھا۔ اس نے اپنی پرچی پڑھی۔

''کسی چھوٹے سے بچے کے رونے کی آواز نکالیے۔ اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا اور صدر صاحب نے عاصم کو پرچی پڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔ عاصم سے بھی تقریر کی فرمائش کی گئی تھی۔ موضوع تھا ''چوکنا رہئے۔'' عاصم تو مقرر تھا اس نے فوراً تقریر شروع کر دی:

''چوکنا رہیے کہ شیطان آپ کی گھات میں ہے آپ کو چاروں شانے چت کرنے کے لئے بے چین ہے۔ چوکنا رہیے، جب آپ نماز پڑھنے جاتے ہیں تو وہ آپ کو تفریح یاد دلاتا ہے۔ آپ پروگرام میں جانے کے لئے اٹھتے ہیں تو آپ کو آرام کرنے پر آمادہ کرتا ہے، چوکنا رہیے ......''

''آپ کا پڑوسی آپ کے جوتے غائب کر سکتا ہے۔'' کسی نے لقمہ دیا اور لڑکوں کی ہنسی چھوٹ گئی اور عاصم نے تقریر ادھوری چھوڑ کر اپنے جوتوں کی طرف دیکھا اس کے جوتے اپنی جگہ سے غائب تھے۔ ''کیا ہے؟ ...... دیکھئے فخر بھائی ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے صدر صاحب سے شکایت کر ڈالی ...... ممبرز ابھی تک ہنس رہے تھے لیکن صدر صاحب نے ذرا ناراضگی کے لہجے میں کہا: دیکھئے! بزم کے ممبرز دیگر طلبہ سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔''

''حضورؐ ایک بار سفر میں تھے۔ ایک آدمی نے سوتے ہوئے آدمی کی رسی مذاق میں اٹھا کر چھپا دی۔ وہ شخص جاگا تو اپنی رسی کو نہ پا کر پریشان ہوا۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے ایسی تکلیف دہ شرارتوں سے منع فرمایا ہے اس لئے آپ بھی ایسا مذاق نہ کیجئے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔''

آدھے گھنٹے کی تلاش کے بعد سب کے سب منہ لٹکائے واپس آ گئے۔ سارے ممبرز سخت پریشان تھے۔ بس کے ڈرائیور نے واپس چلنے کا مشورہ دیا:

''ہاں ہاں واپس چلیں اللہ کوئی بہتر صورت نکالے گا۔ یہاں زیادہ دیر رکنا ٹھیک نہیں۔'' فخر بھائی نے کہا۔ ''چلیں ......چلیں سب منی بس میں بیٹھیں۔'' سارے ممبرز منی بس میں جا بیٹھے۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

❁❁❁

ارشد نے تقریباً سوا تین بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تھا۔ وہ صدر صاحب اور دیگر ممبرز سے چھپ کر ایک طرف کو نکل گیا تھا۔ چڑھتے چڑھتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ کئی بار وہ دم لینے کے لئے رکا۔ پہاڑ کی چوٹی اب بھی اتنی ہی دور معلوم ہوتی تھی جتنی زمین سے نظر آتی تھی۔ خاصی بلندی پر آنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے اور کچھ ہی دیر میں سورج غروب ہونے والا ہے۔ اس کے دل میں خوف نے کروٹ لی۔ اس نے الٹے قدموں واپس اترنا شروع کر دیا۔ واپسی نسبتاً آسان تھی، وہ ذرا کم وقت میں نیچے اتر آیا، پھر بھی کئی جگہوں پر اس کا پیر پھسلتے پھسلتے بچا۔

کچھ تلاش کے بعد اسے وہ جگہ نظر آ گئی جہاں اس کے ساتھیوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ لیکن اب وہاں مونگ پھلی اور مالٹے کے چھلکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ بس کے ٹائروں کے نشان غروب ہوتے ہوئے سورج کی ہلکی ہلکی روشنی میں بھی نظر آ رہے تھے۔ اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ صرف چشمے کے بہنے کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اللہ کا نام لے کر ایک جانب چل دیا۔

❁❁❁

مانگ لے۔ وہ تھوڑا سا آگے بڑھا بھی، لیکن یہ سوچ کر رک گیا کہ کیا پتہ یہ لوگ کون ہوں مگر اس کے آگے بڑھنے کی وجہ سے کسی نے اس کا سایہ حرکت کرتا ہوا دیکھ لیا اور اس نے ایک دم چیخ کر کہا: ''استاد کوئی ہے؟''

ارشد نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن ایک آدمی اس کے پیچھے بھاگا۔ اور اس کی گردن پکڑ کر اس داڑھی والے کے سامنے لا پٹخا۔

داڑھی والے آدمی نے جسے وہ لوگ استاد کہہ رہے تھے، بڑے اطمینان سے پوچھا ''کون ہے بے تو!'' باقی آدمی بھی گوشت کھانا بھول کر بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ارشد نے ذرا ڈر کر کہا ''میں ایک طالب علم ہوں۔ میرا نام ارشد ہے۔''

''ہاہا...... ہاہا......ایک آدمی بڑے زور زور سے ہنسنے لگا۔ واہ بھئی ...... واہ ......تو ......تو طالب علم ہے تو پھر یہاں علم حاصل کرنے آیا ہے؟''

''چپ رہو۔'' سردار نے اس آدمی کو ایک گھرکی دی وہ آدمی سہم کر خاموش ہو گیا۔

''ہاں بھئی! ......تو پھر؟'' سردار نے پوچھا۔

میں اور میرے ساتھی یہاں پکنک منانے آئے تھے۔ میں نے اپنے صدر صاحب کے حکم کی خلاف ورزی کی انہوں نے کہا تھا کہ چار بجے واپس آ جانا میں پہاڑ پر چڑھ گیا اس طرح مجھے دیر ہو گئی۔ وہ مجھے تلاش کر کے واپس چلے گئے ہوں گے ......ارشد نے ڈرتے ڈرتے ساری کہانی بیان کر دی۔

''ہوں۔'' سردار نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''مگر یہ صدر صاحب کس کا نام ہے؟''

ارشد کو بھوک بڑے زوروں کی لگی تھی۔ لیکن اس نے سوچا ''پتہ نہیں، یہ کون لوگ ہیں، ان کا مال کھانا صحیح بھی ہوگا یا نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی ایک بار بھوک میں کھانا کھا لیا تھا۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ کھانا لانے والے کو کسی غلط کام کے بدلے ملا تھا تو انہوں نے قے کر دی تھی۔'' وہ رک گیا سردار نے اسے سوچ میں دیکھ کر کہا: ''رک کیوں گئے۔ کھاؤ!''

ارشد نے کہا ''پتہ نہیں آپ کا کھانا، درست بھی ہے یا نہیں۔ آپ لوگ ان پہاڑوں میں کیا کرتے ہیں؟ بندوقیں اور چھرے رکھتے ہیں۔ ابھی آپ ڈر رہے تھے کہ میں آپ کا پتہ دوسروں کو بتا دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کوئی غلط کام کرتے ہیں۔ سردار اس کی بات پر ہنس پڑا اور بولا: ''ارے یار! اتنی سی بات۔ دیکھو! ہم امیروں سے غریبوں کا حق چھینتے ہیں، حقداروں کو ان کا حق پہنچاتے ہیں۔ جھونپڑی میں فاقہ کرنے والوں کو، کوٹھی میں رہنے والوں کے مال میں سے کچھ حصہ نکال کر پہنچاتے ہیں۔ آخر ان کا بھی تو حق ہے۔ کیا یہ نیکی کا کام نہیں؟

''ہرگز نہیں۔'' ارشد نے فوراً کہا۔ ''اللہ کے بندوں کو رزق دینے کے ذمہ دار آپ نہیں، خود اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ امیروں کو لوٹ کر آپ غریبوں کی جو مدد کرتے ہیں تو یہ نیکی کا کام ہے۔ حالانکہ اللہ کے رسولؐ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک مال قبول کرتا ہے۔ یہ تو ناجائز ہے کہ آپ کچھ لوگوں کو لوٹ کر کچھ غریبوں کو کچھ رقم پہنچا دیں۔ اور اسی لوٹی ہوئی رقم میں سے اپنے اخراجات بھی پورے کریں۔ آپ قیامت کے روز اللہ کو کیا جواب دیں گے؟''

چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ ارشد کی بات سن کر سردار نے اپنا سر جھکا لیا

لوگ اس کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے مل رہے تھے۔ ایک دو نے اس سے کہا بھائی ہمارے لئے دعا کرنا۔''

وہ بزرگ اپنی جھونپڑی میں بیٹھے تھے۔ سردار کو دیکھ کر بڑے تعجب سے بولے:

''ارے تو آج کیسے رستہ بھول گیا۔ اور یہ کون ہے؟'' انہوں نے ارشد کی طرف اشارہ کیا۔

بابا! آج میں نے ہدایت کی راہ پالی ہے۔'' سردار نے ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا: ''اور مجھے سیدھی راہ دکھانے والا یہ چھوٹا سا لڑکا ہے۔''

بابا کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ انہوں نے سردار کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دعا دی۔ اس کے دوسرے ساتھیوں کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کر کے انہیں بڑی خوشی ہوئی کہ وہ سب برے کاموں سے باز آ گئے ہیں۔

سردار کچھ دیر بیٹھا رہا۔ بابا کے سامنے ارشد کی تعریفیں کرتا رہا۔ پورا قصہ انہیں سنایا کہ کس طرح وہ اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے اور یہ لڑکا کہیں سے آ نکلا۔ قصہ سناتے سناتے اس نے ایک دم رک کر کہا: بابا میں تو حیران رہ گیا، جب اس چھوٹے سے لڑکے نے میری بات کا جواب ایسے اچھے طریقے سے دیا'' ''تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھیں؟ اس نے ارشد سے پوچھا۔

ارشد اپنی تعریف پر شرما سا گیا۔ پھر اس نے ذرا جھجک کر کہا میں بچوں کی بزم کا ممبر ہوں۔ مجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے بزم نے سکھایا ہے'' ''بہت اچھی بزم ہے تمہاری جس نے تم کو اتنی اچھی باتیں بتائیں۔'' سردار نے کہا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا بابا اب میں چلتا ہوں۔''

سردار کے جانے کے بعد بابا نے ارشد کو کھانا نکال کر دیا۔ سالن اور

ارشد نے مصافحے کے لئے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ ''اچھا خدا حافظ۔'' لیکن سردار نے اسے کھینچ کر گلے لگاتے ہوئے کہا: ''میرے دوست! مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا کہ میں سیدھی راہ پر چلتا رہوں۔''

بس قریب آکر ٹھہر گئی۔ ارشد بس میں چڑھ گیا۔ بس چل دی۔ خاصی دور تک سردار کا ہاتھ ہلتا ہوا نظر آتا رہا۔

شہر جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا۔ ارشد کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ بس اڈے پر جا کر ٹھہر گئی۔ بس سے اتر کر وہ سامنے کھڑے ہوئے ایک رکشہ میں بیٹھ گیا۔ رکشہ والے کو اپنے محلّہ کا نام بتایا۔ رکشہ والے نے جلد ہی اسے اس کے محلّہ میں پہنچا دیا۔

رکشہ سے اتر کر وہ رکشہ والے کو پیسے دے رہا تھا کہ اچانک کوئی اس سے آکر لپٹ گیا۔ ''ارے تم کہاں تھے۔ سب لوگ تمہاری تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔'' یہ عاصم تھا اس کا جگری دوست۔

''چلو، گھر چل کر بتاؤں گا۔ دونوں گھر پہنچے سب سے پہلے ارشد کے ابا نے اسے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ صرف اتنا کہہ سکے۔'' بیٹا جاؤ، اپنی امی کی خبر لو۔'' ارشد کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ جلدی سے اندر لپکا۔ اس کی امی بستر پر بے سدھ لیٹی ہوئی تھیں۔

ارشد کے واپس آجانے کی خبر فوراً محلے کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ پڑوسنیں گھونگھٹ نکالے آنے لگی۔ ''مبارک ہو لڑکا مل گیا ہے!!''

بزم کے تمام ممبرز اکٹھے ہو گئے، اور صدر صاحب نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

35 روپے

''لیجئے!''

صدر صاحب نے واسع کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی رسید بک تھما دی۔

واسع نے الٹ پلٹ کر دیکھا ''اس کا میں کیا کروں؟'' اس نے پوچھا۔'' اس کے ذریعے آپ لوگوں سے فنڈ جمع کریں۔'' صدر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فنڈ! کیا مطلب؟''

دراصل جو لوگ ہماری بزم سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس کے کام کو پسند کرتے ہیں اور اس کے کام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں، وہ روپے پیسے سے بزم کی مالی امداد کرتے ہیں۔ صدر صاحب نے بڑا لمبا چوڑا جواب دے ڈالا۔

''لیکن ان پیسوں کا کریں گے کیا؟'' واسع ابھی تک پریشان تھا۔

''بھئی! ان پیسوں کو بزم کے بہت سے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بہت سے سکولوں کی بزم کی لائبریریوں میں کتابوں کی ضرورت ہے۔ کہیں پروگرام ہوتے ہیں، کہیں سائیکل کی ضرورت ہے۔ بیسیوں اخراجات اٹھتے

''ہاں ہاں بالکل یاد ہے۔''

''اچھا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

''ہوں ......! تو یہ ہیں وہ نام پتے۔'' واسع نے صدر صاحب کے جانے کے بعد ان کے دیئے ہوئے پرچے کا جائزہ لیا...... اور یہ ہے رسید بک۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ''میں پہلے خود فنڈ دوں گا۔ پھر دوسروں سے جمع کروں گا۔''

اس نے اپنی جیب کا جائزہ لیا۔ کل پانچ روپے تھے۔ چلو بھئی اس دفعہ پانچ روپے سہی ...... مگر یہ تم نے آئس کریم کے لئے رکھے تھے۔'' شیطان نے اسے بہکایا۔ ''اونہہ۔'' اس نے سر جھٹک کر سوچا۔ ''بزم کا کام زیادہ اہم ہے۔ آئس کریم تو پھر بھی کھائی جا سکتی ہے۔''

مغرب کی اذان نے اس کی سوچوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ اس نے وضو کیا اور نماز کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

نماز مغرب اس نے قریبی مسجد میں پڑھی۔ اس کے بعد اس نے سوچا کہ فنڈ جمع کر لیا جائے۔ صدر صاحب نے کہا تھا آج کل میں کر لیں۔

اس نے جیب سے پرچی نکال کر پہلا نام پڑھا۔ ''سعید الدین خان۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ صحیح مکان تک پہنچ گیا۔ دستک دی۔ اندر سے ایک چھوٹا سا لڑکا نکل کر آیا۔ واسع نے سعید خان صاحب کا نام لیا تو دوڑتا ہوا اندر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد خان صاحب نکل کر چلے آئے۔ سلام دعا کے بعد انہیں پتہ چلا کہ وہ بزم کا ممبر ہے تو انہوں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے گئے۔

میں لے جایا کرو۔'' خان صاحب نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا جو چائے کی پیالیاں اٹھا کر واپس لے جا رہا تھا۔ ''جی بہت اچھا۔''

''دوستی کر لو اس سے، اور اسے نماز میں ساتھ لے جایا کرو۔'' خان صاحب نے مزید تاکید کی اور وہ انہیں سلام کر کے باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر اس نے پرچی سے دوسرا نام پڑھا۔ ''شریف حسین۔''

ذرا دیر بعد وہ شریف صاحب کے مکان کے سامنے کھڑا تھا۔ گھنٹی بجائی۔ خاصی دیر بعد ایک چھوٹی سی بچی نکل کر آئی اور اس کا نام پوچھ کر اندر چلی گئی۔ کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے پھر گھنٹی بجائی تو چھت پر سے کسی نے جھانکا۔ اس نے سوچا اب تو کوئی نکل کر آئے گا، لیکن پھر بھی کوئی نہ آیا۔ اس نے بیزار ہو کر گھنٹی کا پش بٹن ذرا زور سے دبا دیا۔ دھڑاک سے دروازہ کھلا اور بنیان اور تہمد پہنے ہوئے ایک صاحب برآمد ہوئے۔ سوالیہ نظروں سے انہوں نے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے جلد سے پوچھا ''شریف۔ شریف صاحب۔''

''جی فرمایئے!'' ان صاحب نے بھنویں تان کر کہا۔ غالباً انہیں حیرت ہو رہی تھی کہ اتنا چھوٹا سا لڑکا ان سے کس لئے ملنے آیا ہے اور اسے ان کا نام بھی معلوم ہے۔''

اس نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ ان کے چہرے پر بیزاری کے آثار نمودار ہوئے۔ منہ کھول کر انہوں نے جمائی لی پھر بولے: ''ابھی تو نہیں، کل آپ آئیں۔''

اس نے چلتے ہوئے سوچا: ''نام تو شریف ہے لیکن انداز بڑا غیر شریفانہ ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

''پھر یہ کہ بہر حال ایسے افراد سے بھی پیسے اگر مل جاتے ہیں تو یہ بزم کے لئے فائدے والی بات ہے نا۔''

''جی ہاں۔''

''لیکن ایک بات ہے۔ کوئی صاحب اگر اس طرح فنڈ دیتے ہیں کہ بالکل احسان کرنے والی بات ہو۔ اور پھر وہ اس فنڈ کے بدلے میں ہم سے کوئی کام کروانا چاہیں تو ایسے افراد سے ہم فنڈ نہیں لیتے۔ بھئی ہم کوئی بھیک تو نہیں مانگ رہے۔''

''ہاں بھیک تو نہیں ہے یہ۔''

''اچھا ایک بات اور صدر صاحب نے کہا: ''جب بھی آپ کوئی کام کریں، کام کے شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ اس سے کام میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر دعا کر سکیں تو دعا کرنی چاہیے۔ قرآن شریف میں ایک بڑی اچھی دعا ہے......''

''کون سی دعا؟'' اس نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''بتا رہا ہوں۔ دعا ہے:''

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

''اس کا مطلب؟''

''اس کا مطلب ہے میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔'' اچھا اب آپ جائیں۔'' صدر صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: ''اچھا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

ہمارا مقصد ہے نیک بنو...... نیکی پھیلاؤ۔ واسع نے جھٹ سے بزم کا نصب العین دہرایا۔''

''بہت خوب۔'' انجینئر صاحب خاصے متاثر ہوئے۔ واہ! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ برے کاموں سے بچتے اور اچھے کاموں کو اختیار کرتے ہو۔''

''جی بالکل۔'' اس نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ دفعتاً اس کی نظر انجینئر صاحب کی کلائی پر پڑی۔ گھڑی پونے آٹھ بجا رہی تھی۔ ''میں اب چلوں گا۔'' وہ جانے کے لئے اٹھا۔ ''ارے نہیں، چائے تو پیتے جاؤ۔'' انجینئر صاحب چونک کر بولے۔

''جی نہیں! نماز کا وقت ہورہا ہے۔''

''ابھی تو پانچ منٹ ہیں۔ میری گھڑی تیز ہے، پانچ منٹ۔ پونے آٹھ بجے ہوتی ہے نماز؟''

''جی وضو بھی تو کرنا ہوگا۔''

''اچھا اچھا، جاؤ پھر آنا، پھر بات کریں گے۔'' انجینئر صاحب مان گئے۔

انجینئر صاحب کے گھر سے نکل کر وہ تیزی سے مسجد کی طرف چلا۔ راستے میں اس نے بے خیالی میں جیب میں ہاتھ ڈالا...... اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی...... روپے غائب تھے......!

گھبراہٹ کے عالم میں اس نے اپنی تمام جیبیں دیکھ ڈالیں۔ ساری چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں، صرف روپے غائب تھے۔ پریشان ہوکر وہ الٹے قدموں اسی سمت جانے لگا جہاں سے آرہا تھا کہ مسجد سے اقامت کی آواز

واسع نے جواب دینے کے بجائے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر؟ ...... اس قدر اداس چہرہ لئے کیوں پھر رہے ہو؟'' واسع اب بھی خاموش رہا۔

''بتائیں بھئی کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' صدر صاحب نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''آصف بھائی!'' واسع کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں ہاں!''

''آصف بھائی پہلے یہ وعدہ کریں کہ آپ ناراض نہیں ہوں گے۔''

''وعدہ؟ وہ کیوں؟ صدر صاحب ذرا حیران ہو گئے۔

''سب سے پہلے وعدہ کریں۔'' واسع اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

''آخر ہوا کیا؟''

''وہ......!'' واسع نے بات کرنے کے لئے لب کھولے اور خاموش ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے تو اس نے صدر صاحب کو خوشخبری سنائی تھی کہ اس نے 35 روپے جمع کر لئے ہیں اب یہ بری خبر کس منہ سے سنائے کہ وہ 35 روپے کہیں غائب ہو گئے ہیں۔

صدر صاحب نے اسے پریشان دیکھا تو کہنے لگے: ''آئیں سائیکل پر بیٹھ جائیں۔'' واسع چپ چاپ صدر صاحب کے ساتھ سائیکل پر بیٹھ گیا۔ صدر صاحب اسے ایک پرسکون ہوٹل میں لے گئے۔ ایک کونے میں بیٹھ کر انہوں نے چائے منگوائی۔ جب بیرا چائے رکھ کر چلا گیا تو انہوں نے واسع کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بڑی محبت سے پوچھا:

''بتائیں بھئی! آخر کیا ہو گیا؟ کچھ پیسوں کی ضرورت ہے؟''

''مسئلہ یہ ہوا۔'' واسع کے لبوں کو جنبش ہوئی ......'' وہ ...... میں نے 35 روپے جمع کیے تھے فنڈ کے! وہ کہیں گم ہو گئے ہیں؟''

''کیا؟'' صدر صاحب بری طرح چونک گئے۔

''جی ہاں!'' واسع نے یہ کہہ کر مجرموں کی طرح نظریں جھکا لیں۔''

''اوہ! یہ تو واقعی مسئلہ ہو گیا۔'' صدر صاحب کا چہرہ متفکر ہو گیا۔'' یہ تو بزم کی امانت تھی۔''

''پھر اب کیا ہو گا آصف بھائی؟''

''کچھ نہیں ہو گا۔ بس یہ رسیدیں کینسل ہو جائیں گی۔ میرے پاس بھی اتنے فاضل پیسے نہیں کہ میں ہی دے دیتا۔ ویسے بڑا برا ہوا۔ یہ رقم اس ماہ مل جاتی تو ہمارا ٹارگٹ پورا ہو جاتا۔'' صدر صاحب نے افسوس کے ساتھ کہا۔

''ٹارگٹ وہ کیا؟'' واسع نے پوچھا۔

''ٹارگٹ ......یعنی ہدف ......ایسا ہوتا ہے کہ تمام اسکول اپنا اپنا ہدف مقرر کر لیتے ہیں کہ ہم اتنی رقم ہر ماہ جمع کرنے کی کوشش کریں گے اور اس ہدف کو فلاں ماہ تک حاصل کریں گے پھر جب ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہدف بڑھا دیتے ہیں۔'' صدر صاحب نے ہدف کی تفصیل سے وضاحت کی۔

''اچھا ہمارا ہدف کتنا ہے؟'' واسع نے ذرا دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''150 روپے۔''

''اور فنڈ کتنا جمع ہو جاتا ہے؟''

''بس یہی کوئی چالیس روپے کے لگ بھگ۔''

''واقعی یہ تو برا ہوا۔'' واسع کا چہرہ پھر مرجھا گیا۔

''جی کچھ پیسے کھو گئے تھے۔''

''پیسے؟ کتنے پیسے؟''

''35 روپے۔''

''اچھا کہاں کھو گئے ......؟''

''کس کے پیسے تھے۔تمہارے؟''

''جی نہیں بزم کے تھے۔''

''بزم کے اچھا وہ جس کے لئے فنڈ لینے تم میرے پاس کل شام آئے تھے......''انجینئر صاحب نے سامنے آتی ہوئی گاڑی کو راستہ دینے کے لئے اسٹیرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''

''تو کیا وہ اسی فنڈ کے پیسے تھے؟''

''جی ہاں !! اسے فنڈ کہتے ہیں۔''واسع نے وضاحت کی۔

''اس کا ہوتا کیا ہے؟''

''جی یہ رقم بزم کی سرگرمیوں میں استعمال ہوتی ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انجینئر صاحب نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا:

''تمہارے پیسے میرے پاس ہیں!''

''کیا؟''واسع کا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''آپ کے پاس کہاں سے آ گئے؟''

''کل جب تم میرے گھر آئے تھے تو تمہاری جیب سے گر پڑے تھے۔ میں تمہیں دروازے تک چھوڑنے کے لئے گیا اور واپس آیا تو صوفے پر پیسے

نے رقم مل جانے کی خوشخبری سنائی، اور پھر انجینئر صاحب کا پیغام دیا۔

''اچھا کمال ہے!'' صدر صاحب پہلے تو حیران ہوئے پھر کہنے لگے: ''ٹھیک ہے شام کو چلیں گے۔''

مغرب کی نماز کے بعد وہ صدر صاحب سے ملا۔

انجینئر صاحب کے گھر پہنچے، بیل بجائی۔ انجینئر صاحب خود ہی باہر نکلے۔ اسے دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئے۔ آؤ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ یہ کون ہیں، تمہارے صدر صاحب ہیں۔ آیئے آیئے مجھے رفیق احمد کہتے ہیں، آپ کا نام؟''

''آصف۔'' صدر صاحب نے اپنا نام بتایا۔

ڈرائنگ روم میں لے جا کر انہوں نے ان سے بیٹھنے کے لئے کہا اور خود اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں جب وہ واپس لوٹے تو ان کا ملازم ایک بڑی ٹرے میں بسکٹ، پھل اور مٹھائی لئے ہوئے تھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی صدر صاحب نے کہا۔

''ضرورت تو بہت تھی۔'' انجینئر صاحب ملازم کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے: ''لیجئے لیجئے۔'' انہوں نے مٹھائی کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ واسع اور صدر صاحب نے بھی ان کی تقلید کی۔

مٹھائی وغیرہ کھا چکنے کے بعد انجینئر صاحب کا ملازم چائے لے آیا۔ چائے پیتے ہوئے انجینئر صاحب نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور واسع کی جانب بڑھا دیئے۔ ''لو۔''

واسع نے نوٹ لے کر گنے۔ ''یہ تو 135 روپے ہیں، میرے تو صرف 35 روپے کھوئے تھے۔'' انہوں نے سو کا نوٹ انجینئر صاحب کی طرف

لیکن اللہ کا شکر ہے تم اس میں پورے اترے۔ اسی لئے میں نے یہ 35 روپے اپنی طرف سے دے دیئے ہیں۔ اس کی رسید مت کاٹنا۔ صرف ان سو روپوں کی رسید کاٹنا جو میں تمہیں ہر ماہ دوں گا اور پتہ ہے کل رات جب تم میرے پاس آئے تھے، تو میں نے تمہیں کتنے پیسے دینے کا فیصلہ کیا تھا؟''

واسع نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

''صرف پانچ روپے۔'' انجینئر صاحب اپنے ہاتھ کی پانچ انگلیاں جوڑ کر دکھاتے ہوئے بولے: ''لیکن محض یہ بات کہ بزم کا ایک چھوٹا سا ممبر اتنا دیانت دار ہے کہ اسے حرام اور حلال کی پہچان ہے اور وہ امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ محض اس بات نے مجھے آمادہ کیا کہ میں تمہیں جتنی ہو سکے زیادہ سے زیادہ رقم دوں میں کوشش کروں گا آئندہ ماہ اس سے زیادہ ہو سکے تو دوں گا۔''

پھر انہوں نے واسع کو کچھ تلاش کرتے دیکھ کر کہا...... ''ارے یہ تم کیا تلاش کرر ہے ہو؟''

''قلم ...... میں قلم بھول آیا ہوں۔ رسید کاٹنی ہے۔ واسع نے اپنی جیبیں تھپتھپاتے ہوئے کہا...... اور انجینئر صاحب اس کے ہاتھ سے رسید بک لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولے:

''چھوڑو بیٹا ...... پھر دے دینا ...... آپ چائے کے ساتھ بسکٹ لیں ......''

پائے تھے کہ اس عجیب مخلوق نے ان کے بال پکڑ کر انہیں زمین پر پٹخ دیا اور ایک زوردار ٹھوکر ان کی پسلیوں میں رسید کی۔ قریشی صاحب کی آدھی جان تو ویسے ہی نکل گئی تھی۔ رہی سہی کسر اس بلا کی مار پیٹ نے پوری کر دی۔ اتنے میں باہر سے ان کے بچوں کی آواز آئی۔ ''ابو۔! کیا آپ یہاں ہیں؟'' پھر فوراً ہی ان کے چیخنے اور بھاگنے دوڑنے کی آوازیں بلند ہوئیں اور کسی کے دھڑام سے گرنے کا شور سنائی دیا۔ بچوں نے شاید اس بلا کو دیکھ لیا تھا۔ بلا نے بھیانک سا قہقہہ لگایا: ''تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔'' بلا خوفناک آواز میں بولی۔ ''مگر...... وہ...... ک...... ک کیوں؟'' قریشی صاحب ہکلائے۔ ''اس لئے کہ یہاں ہم رہیں گے، ہم! ہم بھوت ہیں'' بھوت نے گونجیلی آواز میں کہا اور جیسے ہی بھوت نے اپنی بات ختم کی مکان کے دوسرے کمروں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ قریشی صاحب اسپرنگ کی طرح اچھلے اور تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتے ہوئے بھاگ اٹھے۔ مکان کا دروازہ کھلا تھا اور کافی دور گلی کے موڑ پر ان کی اہلیہ اور بچے کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے...... انہوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''چلو متین کے ہاں چلو جان بچ گئی۔'' متین ان کے چھوٹے بھائی کا نام تھا۔ ان کی اہلیہ کہنے لگیں۔ ''میں تو اب مرتے دم تک وہاں نہیں جاؤں گی۔''

قریشی صاحب نے تھوڑے ہی دنوں میں محلّہ چھوڑ دیا، اس لئے کہ ان کے بچے روزانہ رات کو، سوتے میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتے تھے۔ قریشی صاحب تو گئے لیکن ان کی حویلی پر بھوت کا قبضہ ہو گیا۔ رات کے سناٹے میں کبھی وہاں میزیں گھسیٹنے کی آوازیں آتیں۔ کبھی اچانک کچھ کمروں میں بلب جل اٹھتے پھر

پیر تھے پیری تو انہوں نے کھانے پینے کے دھندے کے طور پر اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ حویلی میں گھسے اور تھوڑی ہی دیر میں یہ کہتے ہوئے آ گئے۔ ''اس بھوت کے ساتھ جنوں کی پوری ٹیم ہے۔ میں اکیلا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' اس کے بعد محلے کے دو چار نو جوانوں نے بھی بھوت سے دو دو ہاتھ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ بھوت کا مقابلہ کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔!

راشد اور آصف دو بھائی تھے۔ دونوں بزم کے ممبر تھے۔ وہیں بھوت کی حویلی کے پاس ان کا گھر تھا۔ محلے کے دوسرے بچے تو اپنا وقت ٹی وی پر فلمیں دیکھنے، پتنگ اڑانے یا بیکار آوارہ گردی میں گزارتے لیکن یہ دونوں بھائی یا تو گھر کا کام کاج کرتے یا اپنے اسکول کی پڑھائی کرتے یا پھر بزم کی اچھی اچھی کتب پڑھتے جو وہ اپنے اسکول کی بزم کی لائبریری سے لیا کرتے نمازیں، تمام وہ باقاعدگی سے مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے اور بزم کے تمام پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ ایک دن راشد نے آصف سے کہا۔ ''بھلا یہ بھوت ہے کیا؟ پتہ لگانا چاہیے۔'' آصف نے ڈر کر کہا۔ ''اور جو کھا گیا پکڑ کر تو؟'' ''ارے سب بیکار کی باتیں ہیں۔'' راشد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''موت اللہ تعالیٰ نے اسی حویلی میں لکھ دی ہے تو ڈر کس بات کا؟'' ''ابو کو پتہ چل گیا تو؟'' آصف نے اندیشہ ظاہر کیا۔ ''ارے پتہ نہیں چلے گا۔ چپکے سے چلیں گے۔'' راشد نے بڑی دانشمندی سے کہا۔

رات کو جب گیارہ بج گئے اور گھر والے سو گئے تو راشد چپکے سے اٹھا اور آصف کو اٹھایا۔ پنجوں کے بل چلتے ہوئے دونوں، کمرے سے باہر نکلے۔ اتنے میں ایک بلی ان کے مکان کی دیوار سے برابر والی چھت پر کود گئی اور صحن میں سوئے

آصف نے راشد کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ راشد نے چھوٹے بھائی کے خوف کو محسوس کر لیا اور ذرا مسکرا کر بولا۔ ''ڈر لگ رہا ہے۔؟ کیوں؟''

''نہیں تو......!'' اپنے متعلق ایسی بات سن کر آصف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''ڈر کس بات کا۔''

''اونہہ!'' ''راشد نے جلدی سے کہا۔'' ''تم تو ناراض ہو گئے۔ ذرا میرا ہاتھ تو چھوڑو۔ تم نے اتنی سختی سے پکڑ رکھا ہے جیسے میں اڑ جاؤں گا۔''

آصف نے ذرا شرمندہ سا ہو کر بڑے بھائی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ راشد نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مسنون دعاؤں کی چھوٹی سے کتاب نکالی۔ یہ کتاب وہ کل ہی بزم کی لائبریری سے لایا تھا۔ اس کتاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ایسی دعائیں درج تھیں جنہیں رسولؐ اللہ پڑھا کرتے تھے۔

چلتے چلتے راشد ذرا رک گیا ''کیا ہوا؟'' آصف بھی ٹھہر کر پوچھنے لگا۔

''یہ دیکھو۔!'' راشد نے دعاؤں کی کتاب کھول کر ایک صفحے پر انگلی رکھ دی۔ ''دیکھو! یہاں ایسی دعا لکھی ہوئی ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر روز صبح اور شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور وہ کسی حادثے سے دوچار نہیں ہوگا۔''

''اچھا؟ واقعی؟'' آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں بھی...... یہ بات اللہ کے رسولؐ نے کہی ہے۔'' راشد بزرگوں کے انداز سے بولا۔ اس وقت اسے اپنے اسکول کے اسلامیات کے استاد یاد آ گئے تھے جو اسی طرح بولا کرتے تھے 'ہاں بھئی یہ بات اللہ کے رسولؐ نے کہی ہے...... ولڑکے!'' دراصل یہ صاحب اسلامیات پڑھاتے پڑھاتے اچانک دیکھتے کہ

ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔

پہلے دو کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، البتہ تیسرے کمرے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ راشد نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر دروازے سے جھانکنے لگا۔

روشنی دراصل ایک اور کمرے سے پھوٹ رہی تھی جو پہلے کمرے کی پشت پر بنا ہوا تھا اس کمرے تک جانے کے لئے پہلے کمرے سے راستہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے تک جانے کے لئے کوئی اور راستہ بھی ہو۔

راشد اور آصف دونوں روشن کمرے تک پہنچ گئے۔ اندر ایک تخت پر دو بچے بیٹھے کتابیں پڑھ رہے تھے۔ راشد سوچ میں پڑ گیا۔ ''یہ بچے کہاں سے آ گئے۔'' کیا یہ بھوت کے بچے ہیں؟ نہیں! بھوتوں کے بچے ایسے تو نہیں ہوتے۔'' بہر حال اس نے جی کڑا کر کے قدم آگے بڑھایا اور زور سے کہا۔ ''السلام علیکم!!'' بچے چونک پڑے۔

''کون ہو تم۔!'' ایک ساتھ دونوں کے منہ سے نکلا۔'' یہی سوال ہم تم سے کریں گے۔'' اب کی بار آصف نے جرات سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''میرا نام شارق ہے۔''

''اور میرا شفقت۔''

دونوں بچوں نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔

''ہم ارشد اور آصف ہیں۔ لیکن تم لوگ کون ہو۔؟ کیا تم بھوت کے بچے ہو۔'' راشد نے پوچھا۔

''ارے چھوڑو۔'' بڑے والے بچے نے ذرا ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ''یوں سمجھو کہ ہم تمہارے دوست ہیں۔''

اب سارا معاملہ راشد کی سمجھ میں آ چکا تھا کہ یہ بچے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مختلف چیزیں وصول کرتے ہیں بھوت کا تو بہانہ ہے۔ راشد نے غصہ کے عالم میں ڈبہ میز پر پٹخ دیا۔ اس کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

''یہ؟ حرام کا مال؟ ہمیں کھلا رہے ہو...... ! لوگوں سے لوٹی ہوئی مٹھائی تم ہمیں کھلاؤ گے......؟ شرم نہیں آتی ؟ ......تم سمجھ رہے ہو کوئی تمہیں دیکھ نہیں رہا؟ ......اللہ تو دیکھ رہا؟ ......قیامت میں کیا جواب دو گے؟''۔

شارق نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن راشد نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے......خوب مٹھائی کھاؤ......لیکن پتہ ہے؟ دوزخ میں کیا ملے گا......؟ خاردار گھاس! پگھلا ہوا تارکول......گرم پانی!''

دونوں بچے منہ کھولے راشد کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوف جھلک رہا تھا آصف کا چہرہ بھی غصے سے لال ہو رہا تھا۔ اس نے بھی اپنے لب کھولے۔ ''ہاں بھائی جان ......ہم نے تو وہ حدیث بھی پڑھی تھی نا ......جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو بدن حرام کمائی سے پرورش پائے وہ جنت میں جا نہیں سکتا۔ اس کے لئے جہنم کی آگ ہی بہتر ہے۔''

اچانک ......ایک جانب سے ایک پردہ ہٹا اور کسی آدمی نے کود کر راشد کو گلے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہا تھا!

''بیٹے! میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ تم نے مجھے راستہ دکھایا۔ اف ...... میں نے کتنے گناہ کئے۔ اللہ مجھے معاف کر دے گا؟''

دونوں لڑکے ایک طرف سہمے ہوئے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ راشد

''بھوت حقیقی توبہ کرنے کے لئے تیار تھا بلکہ سزا بھگتنے کے لئے راضی تھا۔ راشد کے ابو کا خیال تھا کہ ایک فرد اگر بری زندگی سے توبہ کرنا چاہے تو اسے موقع ملنا چاہیے۔ خاصی کوششوں کے بعد انہوں نے لوگوں کی لوٹی ہوئی اشیاء کا بیشتر حصہ انہیں واپس دلوادیا پھر بھی ''بھوت'' کو دو سال کی سزا ہوگئی۔

مقدمے کے دوران راشد کے ابو ''بھوت'' سے جس کا اصل نام شوکت تھا ملتے رہے، اسے اچھی نصیحتیں کیں۔

جس روز فیصلہ سنایا گیا، بھوت عدالت میں، راشد اور آصف سے ملا، انہیں پیار کیا اور بولا۔؟'' بیٹے! لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹا مجرم جیل جا کر بڑا مجرم بن کر نکلتا ہے لیکن اللہ تمہیں اور تمہارے ابو کو اجر دے۔ تمہاری اور تمہارے ابو کی نصیحتوں کو میں نے دل میں بٹھا لیا ہے۔ انشاء اللہ میں نیک بن کر دکھاؤں گا۔ میرے لئے دعا کرنا۔

راشد کے ابو نے شوکت کے بچوں کو بھی اپنے ہی پاس رکھ لیا۔ انہیں بھی راشد اور آصف کے اسکول میں داخل کرادیا۔ دونوں بچے بہت جلد بزم کے ممبر بن گئے۔

ادھر قریشی صاحب کو اصلیت کا پتہ چلا تو وہ دوڑتے آئے۔ راشد اور آصف سے ساری داستان سن کر بولے'' بیٹے! اب تک میں خدا پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ بے ایمانی کو جائز سمجھتا تھا لیکن جب کسی نے میرے ساتھ بے ایمانی کی تو مجھے ہوش آیا۔ اللہ تو تمہیں اس نیک کام کا اجر دے گا ہی۔ لو یہ میری طرف سے پانچ سو روپے تم دونوں کے لئے۔'' پھر انہیں کچھ خیال آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر ہنستے ہوئے انہوں نے مزید پچاس روپے نکالے اور

غلط فہمی

''امی، میں کھیلنے جا رہا ہوں۔'' شاہد نے گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنی امی کو بتایا اور پھر وہ اپنے گھر کے سامنے کھڑے واجد اور جاوید کی طرف بڑھنے لگا۔ ''یار بہت دیر کر دی تم نے......'' واجد نے اس کے آتے ہی کہا۔ ''بھئی، آتا تو جلدی لیکن امی نے یہ کہہ کر گھر میں بٹھا دیا کہ ایک بجے بھلا کون سا کھیلنے کا وقت ہوتا ہے، اس لئے ذرا دیر ہوگئی ورنہ تو......''

اچھا خیر چھوڑو، اب تم اپنی صفائی پیش کرنے میں لگ گئے۔ جاوید نے شاہد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو اب کیا ارادے ہیں جناب کے؟'' شاہد نے مسکرا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ارادے تو خیر یہی ہو سکتے ہیں کہ کلفٹن کی سیر کی جائے کیونکہ وہی بہترین اور قریب ترین تفریح گاہ ہے۔ جاوید نے اپنے ارادے بتائے۔

''لیکن وہ پکچر کا پروگرام......'' شاہد نے ان کو یاد دلایا۔

''بھئی اگر تم میں اتنی ہمت ہے کہ اب سے نکلو اور شام چھ ساڑھے چھ بجے گھر جاؤ۔ تو پھر کیوں نہ چلا جائے......! کیونکہ ہمارے اپنے گھر میں تو آج

کامیابی کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں تاکہ اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرمائے لیکن وہ اس وقت تک نمازیں پڑھتے رہے اور نیک بنے رہے۔ جب تک ان کا رزلٹ نہ نکلا۔ لیکن جب ان کا رزلٹ آیا اور ان کو یہ پتہ چلا کہ وہ پاس ہو گئے ہیں تو پھر رزلٹ کے نکلنے کے دوسرے ہی دن سے نمازیں گول کرنے لگے، اور اب وہ نماز بالکل ہی نہیں پڑھتے تھے۔ اب تو وہ باقاعدہ فلمیں بھی دیکھنے لگے تھے، لیکن پھر بھی وہ بابر بھائی سے کافی مرعوب تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے سامنے جھوٹ بولتے کافی جھجکتے تھے۔

آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں۔'' بابر بھائی نے ان تینوں کو زیادہ شرمندہ نہ ہونے دیا۔

''ج...... ج...... جی۔ بات دراصل یہ ہے کہ'' واجد بری طرح اٹکا۔

''کہ کیا مطلب؟ بابر بھائی حیرانی سے بولے۔

''جی کہ ہم پوسٹ مین کا انتظار کر رہے ہیں۔'' شاہد نے واجد کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے جملہ مکمل کر دیا۔

''بھئی کیا بہت ضروری خط آنا ہے؟'' بابر بھائی نے پوچھا۔

''جی، وہ دراصل ہم نے مئی کا بچوں کا رسالہ منگوانے کے لئے 50 روپے کے ٹکٹ ارسال کئے تھے، تو ہو سکتا ہے کہ آج ہی رسالہ آجائے۔'' شاہد نے بہترین بہانہ گھڑتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب! مئی کا رسالہ...... بھائی میرے! ابھی اپریل کا رسالہ تو شائع نہیں ہوا اور آپ انتظار کر رہے ہیں، مئی کے رسالے کا۔'' بابر بھائی مسکرائے اور ان تینوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

کام دے رہے ہوں اور اس طرح آپ کی نماز نکل رہی ہو تو آپ وہ کام کرنے سے انکار کر دیں۔ یعنی آپ دونوں کام کریں، لیکن ایسے کریں کہ کسی دوسرے کا حق ساقط نہ ہو۔'' بابر بھائی نے ان کو بتایا اور پھر یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ اچھا اب چلیں، چل کر نماز پڑتے ہیں، بابر بھائی نے ان کی طرف دیکھا اور وہ پھر چپ چاپ بابر بھائی کے ساتھ ہو لئے۔

''ارے ہاں یاد آیا، آپ تینوں سن لیں کہ کل شام آٹھ بجے مسجد نعمان آباد میں ایک تربیتی پروگرام ہے۔'' بابر بھائی نے ان کو بتایا۔''جی بہت اچھا'' وہ دھیمے لہجے میں بولے۔''تو پھر آپ لوگ آئیں گے نا۔''

''جی جی، ہاں کیوں نہیں'' وہ چونک پڑے اور بابر بھائی مسکرا دیئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسجد کے سامنے کھڑے تھے۔ واجد سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوا......'' ارے، ارے، یہ آپ مسجد میں کس طرح داخل ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوتے ہیں پہلے دایاں پاؤں اندر رکھتے ہیں۔'' بابر بھائی نے واجد کو بایاں پاؤں اندر رکھتے ہوئے دیکھ کر کہا اور پھر وہ بھی شاہد اور جاوید کے ساتھ مسجد میں داخل ہو گئے۔

آپ لوگ وضو کریں میں ذرا سنتیں وغیرہ پڑھ لوں۔'' بابر بھائی بولے اور یہ کہہ کر وہ مسجد کے اندر چلے گئے۔ اب ان تینوں کا رخ وضو کرنے کی جگہ کی طرف تھا۔

''یار ایک تو یہ بابر بھائی نصیحتیں بہت کرتے ہیں'' واجد نے برا سا منہ بنایا۔

''ہاں واقعی یہ تم نے درست کہا'' جاوید نے بھی تائید کر دی۔

''لیکن اگر دیکھا جائے تو بابر بھائی نے ساری باتیں ہی کام کی بتائی ہیں۔

فلم کس بہانے سے دیکھیں کیونکہ جتنے بھی بہانے تھے، وہ ہم استعمال کر چکے ہیں۔'' واجد نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''ہاں بھئی! تم نے درست کہا۔ واقعی اب کی بار ایسا بہانہ ہونا چاہیے کہ فوراً اجازت مل جائے۔'' جاوید خوش ہو کر بولا اور پھر وہ تینوں سوچ میں پڑ گئے۔ وہ خاموش تھے اور ان کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔

''وہ مارا......'' شاہد تقریباً اچھل پڑا۔ کیوں کیا ہوا کوئی بہانہ ذہن میں آیا'' واجد نے شاہد کو اچھلتے دیکھ کر کہا۔ ''ہاں بہانہ تو ایسا ہے کہ ہمارے والدین فٹافٹ اجازت دے دیں گے'' شاہد خوشی سے بولا۔ ''سنو کل نعمان آباد کی مسجد میں بزم کا تربیتی پروگرام ہے بابر بھائی نے ہم کو دعوت دی ہے۔''

''ہاں کیوں؟......'' واجد اور جاوید حیرانی سے بولے۔

''تو پھر کان ادھر لاؤ'' شاہد نے کہا اور پھر وہ ان دونوں کے کان میں کچھ کہنے لگا اور جوں جوں کہتا جاتا ان دونوں کے چہرے خوشی سے دمکتے جاتے۔

''یار شاہد۔ تمہارا بھی جواب نہیں۔ کیا زبردست ترکیب بتائی ہے تم نے واہ صاحب واہ مان گئے'' واجد نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا اور شاہد خوش ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

صبح جب وہ تینوں سکول پہنچے تو ان تینوں کا دل سکول میں بالکل نہ لگا اور لگتا بھی کیوں؟ آج تو وہ فلم دیکھنے جا رہے تھے۔

خدا خدا کر کے ساڑھے بارہ بجے ان کو چھٹی ہوئی۔ ''واجد کیا تم کو گھر سے اجازت مل گئی؟'' شاہد نے سکول سے باہر نکلتے ہی واجد سے پوچھا۔

جلدی آ جاؤں گا۔ اس لئے ذرا جلد تیار ہو رہا ہوں۔'' اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

''لیکن پروگرام ہو کہاں رہا ہے؟'' شاہد کے ابو نے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ نعمان آباد کی مسجد میں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''ہوں، یعنی آپ سات بجے تک گھر پہنچیں گے۔'' وہ بولے اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔'' اچھا خیر آپ چلے جائیں لیکن کوشش کرنا کہ جلدی واپس آئیں۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولے، اور شاہد کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں، کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اجازت ذرا مشکل سے ملے گی۔'' یہ ضرور اتنے شاندار بہانے کا نتیجہ ہے۔'' اس نے سوچا اور تھوڑی دیر بعد وہ جلدی جلدی تیاری کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ایک جگہ جمع تھے اور اب ان کا رخ بس سٹاپ کی طرف تھا۔

ٹھیک چھ بجے جب وہ سینما سے نکلے تو ان تینوں کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔

''یار فلم تو بالکل بور تھی۔'' واجد نے برا سا منہ بنایا۔

''اس سے اچھا تو ہم فلم نہ دیکھتے اور گھر میں رہتے'' شاہد بولا۔

''بس کرو یار اگر ہم گھر میں رہتے اور فلم نہ دیکھتے تو پھر کہتے کہ اس سے اچھا تھا ہم فلم دیکھ لیتے۔'' جاوید بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

''اچھا چھوڑو یار تم اب گھر کی سوچو، کیونکہ میں نے تو گھر میں کہا تھا کہ میں ساڑھے چھ بجے گھر پہنچ جاؤں گا۔ واجد نے ان دونوں کو بتایا اور پھر وہ جلدی سے بس سٹاپ پر پہنچ گئے۔ بس کے لئے انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا

''یار ایک تو یہ بابر بھائی بھی عجیب ہیں کہ تمہارے گھر پہنچ گئے۔ واجد نے منہ بنایا۔

''ہو سکتا ہے وہ سمجھے ہوں کہ کہیں میری طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو اور وہ میری عیادت کرنے آئے ہوں۔'' شاہد بڑبڑایا اور ایک بار پھر وہ خاموش ہو گئے اور پھر تقریباً دس منٹ بعد واجد نے جاوید سے پوچھا۔'' جاوید ذرا ٹائم تو بتاؤ۔''

''بھئی ٹائم تو ہو رہا ہے پونے سات۔'' جاوید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ مارے گئے'' واجد کے منہ سے نکلا، اور پھر وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔

''کیوں تم کو کیا ہوا؟'' جاوید نے واجد کو حیرانی سے دیکھا۔

''یار میں نے گھر والوں سے کہا تھا کہ میں ٹھیک ساڑھے چھ بجے گھر آ جاؤں گا جب کہ اب پونے سات بج رہے ہیں۔''

''تو......تو......تم کیا اب چلے جاؤ گے؟'' شاہد نے واجد کی طرف دیکھا۔

''ہاں یار مجبوری ہے۔ ظاہر ہے میں اب تمہارے پاس نو دس بجے تک تو بیٹھنے سے رہا۔'' واجد بے رخی سے بولا اور پھر تیزی سے اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔'' واجد ذرا رکنا۔'' جاوید نے واجد کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا اور واجد کے قدم رک گئے۔ ''یار شاہد میں بھی گھر چلا۔ کیونکہ میں نے بھی گھر والوں سے کہا تھا کہ میں جلدی آ جاؤں گا۔'' جاوید نے شاہد سے کہا اور پھر وہ بھی واجد کے پاس پہنچ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے اور شاہد چبوترے پر الگ بیٹھا رہ گیا۔

''کیا اسی کو دوستی کہتے ہیں کہ مصیبت میں دوستوں کو اکیلے چھوڑ کر چلے جانا۔'' اس نے سوچا اور پھر اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو اس

''ڈھب...... ڈھب...... ڈھب...... ڈھب'' پیچھے سے کسی نے زور سے اپنا ہاتھ بس پر مارا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

''کیا یہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟'' ایک شخص بولا۔

''بھائی کہیں سو تو نہیں گئے۔'' ایک منچلا لڑکا بولا اور پھر تو جیسے لائن ہی لگ گئی ہر کوئی اپنی کہے جا رہا تھا اور ڈرائیور بس چلانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

شاہد نے کھڑکی سے باہر نگاہیں دوڑائیں تو اس نے دیکھا سڑک کے ساتھ ہی ایک ہوٹل تھا جس کے اندر کھانوں کی مہک آ رہی تھی، اس کی بھوک چمک اٹھی، اس کو یاد آیا کہ اس نے ایک بجے سے کچھ بھی نہیں کھایا اور پھر وہ سیٹ سے اٹھ کر بس سے باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل کے اندر بیٹھا تھا۔

''صاحب کیا لاؤں؟'' ایک بیرے نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا اور وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کھایا جائے۔'' ایسا کرو دال روٹی لے آؤ۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔

''کتنے پیسے؟'' وہ کاؤنٹر پر آ کر بولا۔

''جی دس روپے'' کاؤنٹر پر بیٹھا شخص بولا اور اس نے سکھ کا سانس لیا۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں پیسے زیادہ نہ ہوئے ہوں۔

وہ پیسے دے کر باہر نکلا تو ایک طرف سے اذان کی آواز آئی تو وہ چونک پڑا۔'' کیوں نہ عشاء کی نماز پڑھ لی جائے۔'' اس نے خود سے کہا اور پھر اس کے قدم آواز کی سمت اٹھنے لگے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد سامنے ہی اس کو مسجد نظر آئی اور وہ آہستہ آہستہ چل کر مسجد کے دروازے کے قریب پہنچ گیا اس کو بابر بھائی

لڑکے کے الفاظ گونجے اور وہ رو پڑا، لیکن اس نے اپنی آواز دبالی کہ کوئی اور محسوس نہ کر سکے اور اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو نکل پڑے۔

''میں نے آج اپنے والدین کو دھوکا دیا ہے'' وہ بڑبڑایا، اور پھر وہ چونک پڑا۔ کیونکہ پیچھے سے کسی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹا ''آ...... آ...... آ...... پ'' وہ اٹک کر بولا۔ کیونکہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے والے بابر بھائی تھے۔

''شش، انہوں نے اشارے سے اس کو چپ رہنے کی ہدایت کر دی۔ ذرا میرے ساتھ تو آیئے۔ انہوں نے دھیمی آواز میں کہا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر شاہد کو بھی بابر بھائی کا ساتھ دینا پڑا۔ بابر بھائی اس کو لے کر ہوٹل میں چلے گئے۔ ''دو چائے'' انہوں نے قریب کھڑے بیرے سے کہا اور پھر وہ دونوں کرسی پر بیٹھ گئے۔

''آپ ادھر کیسے؟ ......'' انہوں نے شاہد کو گھورا۔ ''ج...... ج...... جی وہ'' شاہد بری طرح اٹکا۔

''اور آپ ابھی تک گھر کیوں نہیں گئے؟ ......'' بابر بھائی بولے۔

''جی، وہ آپ ابو سے کھڑے باتیں کر رہے تھے نا اس لئے۔'' اس نے وجہ بتائی۔ ''تو اگر میں آپ کے ابو سے بات نہ کرتا تو، تو آپ گھر چلے جاتے۔'' وہ مسکرائے۔ ''جی میرا مطلب یہ نہیں تھا، بلکہ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ نے ابو کو اصل حالات سے آگاہ کر دیا ہوگا اور اپنے پروگرام سے میری غیر حاضری کی اطلاع بھی دے دی ہوگی اور اب میں آپ کے اور اپنے والدین کی نظروں میں گر چکا ہوں،'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا:

ہوا۔ ''بابر بھائی مجھے گھر لے چلیں میں سب سے معافی مانگ لوں گا۔'' وہ جوش میں بولا، لیکن یہ چائے ......'' بابر بھائی نے چائے کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ ''بابر بھائی آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' اس نے چائے کی چسکی لی۔ ''ارے بھائی! کیا آپ بھول گئے کہ میں نے کل آپ کو نعمان آباد کی مسجد میں آنے کی دعوت دی تھی کیونکہ وہاں میرا پروگرام تھا'' بابر بھائی نے یاد دلایا۔ ''ہاں لیکن نعمان آباد کی مسجد سے یہاں کا کیا سوال۔'' وہ الجھے ہوئے لہجہ میں بولا۔ ''بھئی یہ نعمان آباد ہی ہے اور جس مسجد میں نماز پڑھی تھی وہ مسجد نعمان ہے'' وہ مسکرائے۔ ''کیا یعنی میں نعمان آباد پہنچ گیا ہوں؟'' وہ حیرانی سے بولا۔ ''جی ہاں!'' بابر بھائی دھیرے سے بولے۔ ''اور اب میں شکر کر رہا ہوں کہ میں یہاں پہنچ گیا ورنہ نہ جانے آپ سے کہاں اور کب ملاقات ہوتی اور نہ جانے آپ اپنی ''غلط فہمی'' کی وجہ سے کیا فیصلہ کر چکتے۔'' ''بابر بھائی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں نیک بنوں گا اور نیکی پھیلاؤں گا'' وہ جوش میں بولا، انشاء اللہ!'' بابر بھائی نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور تھوڑی دیر بعد وہ بس میں سوار شاہد بھائی کے گھر کی طرف روانہ تھے جہاں پر شاہد کے والدین ان کے منتظر تھے۔